هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

ادیم نقوی

هَلُ مِنُ نَاصِرٍ یَنصُرُنَا

ادیؔم نقوی

کتاب ــــــــــ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُ نَا

مصنف ــــــــــ ادیم نقوی

ایڈیشن ــــــــــ چہارم

کمپوزنگ ــــــــــ احسان علی

پرنٹر ــــــــــ صائمہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز
0300-2196927

سنہ اشاعت ــــــــــ ۲۰۰۶ء

ناشر ــــــــــ حزب الطالبین

تعداد ــــــــــ ۱۰۰۰

ہدیہ ــــــــــ

ملنے کا پتہ

☆......15۔ایف، بلاک نمبر:2۔پی ای سی ایچ ایس، کراچی۔

فون نمبر:۔4551767

ISBN No: 969-9005-03-3

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَنْصُرُ نَا

دیباچہ

حسینؑ مظلوم کی صدائے استغاثہ ”ھل من ناصر ینصرنا“ تیرہ سو سال سے فضائے عالم میں گونج رہی ہے۔اور اس صدائے دلدوز کی یاد بھی برابر تازہ ہوتی رہتی ہے۔ کیا ہم میں سے کسی ایک فرد کو بھی خیال آیا کہ اس استغاثہ کا مفہوم حقیقی اور اصل مقصد جاننے کی کوشش کرے؟ اگر ہم اس استغاثہ کا مقصد حقیقی معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے کلام اللہ میں بعثتِ رسولؐ کا مقصد دیکھنا ہوگا جو کلام پاک میں کئی مقامات پر واضح کر دیا گیا ہے۔ سورۂ جمعہ ہی دیکھ لیں کہ ارشاد رب العزت ہے کہ ”وہ وہی ذات ہے جس نے اُمیوں میں ایک رسول بھیجا تاکہ اُن پر اس کی آیات تلاوت کرے۔ اور ان کا تزکیہ کرے“۔

اسی طرح بیشتر مقامات پر قرآن کریم میں جہاں بھی بعثتِ رسولؐ کا ذکر آیا ہے اس کا مقصد تزکیہ ہی بیان کیا گیا ہے۔

جن نفوس کا تزکیہ ہو جائے گا۔ یعنی نجاستِ ہویٰ و ہوس سے پاک ہو جائیں گے اُن

کے قلوب فطرتاً مطہرین کی طرف کھنچنے لگیں گے۔ اور خدا کے محبوب ترین بندگان رسول وآل رسولؐ کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگی جو اُن کو اعمال قبیحہ سے جو فساد فی الارض کا باعث ہوتے ہیں۔ باز رکھے گی۔ رسولؐ کا کام تبلیغ احکام ہے۔ رسولؐ نے امت کو مطہرین دکھلا دیئے اور اہل بیتؑ کی طرف ہدایت کر دی۔ اب تزکیہ نفس وقلوب خلائق کے لئے عملی کوشش کرنا اہل بیتؑ کے ذمے تھا اور چونکہ قلوب سے نجاستِ ہویٰ و ہوس دور کرنے کا واحد ذریعہ درد والم ہے لہٰذا اہل بیتؑ نے اپنے متوسلین کے لئے سامان درد مہیا کرنے کے لئے عظیم قربانیاں پیش کیں جن کی مثال تاریخ عالم میں ملنا محال ہے۔

اب تو ناظرین پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ امام مظلومؑ کے طلب نصرت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آیا کوئی ایسا شخص ہے جو صاحبانِ ایمان کے لئے سامانِ درد مہیا کرنے میں اپنی قربانی پیش کر کے ہماری مدد کرے تا کہ خلق اللہ کے قلوب ہماری طرف کھنچنے لگیں۔ چنانچہ جب فوج یزید نے آلِ رسولؐ کے اجسام مقدسہ کو قتل کیا اور اہل حرم کو تشہیر کیا تو لوگوں کے قلوب بنی امیہ سے پھر گئے اور اہل بیتؑ کی طرف کھنچنے لگے۔ آل رسولؐ کے احترام کا علم بلند ہو گیا۔ پس ہر وہ عمل جو قلوبِ خلائق کو آل رسولؐ کی طرف جذب کرنے یا ان کی طرف سے روگردانی کو روکنے کا باعث ہو نصرتِ امام اور استغاثہ پر لبیک کہنے کے مترادف ہوگا۔

استغاثہ مذکورہ سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ طلبِ نصرت وقتی اور صرف اسی زمانہ کے لئے نہیں تھی۔ "ینصرنا" مضارع کا صیغہ ہے۔ جو زمانہ حال واستقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا نصرتِ حسینی قیامت تک آنے والے متوسلینِ آل رسولؐ پر لازم وواجب ہے۔

اب لائقِ غور امر یہ ہے کہ ہم استغاثہ حسینی پر کیسے لبیک کہیں اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے نفس کی اصلاح کی کوشش کریں اور بارگاہ قدس سے اس کے لئے نصرت

طلب کریں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے تمام اسباب کو جو لوگوں کو اہل بیتؑ سے برگشتہ کرنے کا باعث ہوں قطع کرنے کی کوشش کریں۔ فی زمانہ ہمارے نوجوانوں میں دہریت کا پروپیگنڈہ کر کے انہیں اہل بیتؑ سے برگشتہ کیا جا رہا ہے۔ اور ہمارے دشمن اس میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ جس کا باعث آل رسولؐ سے منسوب وہ تمام خلاف عقل وفطرت موضوعہ روایات ہیں جن سے ہمارے علماء سلف وعلماء حال کی تصانیف مملو ہیں۔ ایسی کچھ روایات اور علمائے کرام کے خلاف عقل وفطرت قیاسی عقائد اور ان قیاسی عقائد میں علماء کے درمیان آپس میں اختلاف کی اس کتاب میں نشاندہی کی گئی ہے تا کہ مدعیان حُبِ اہل بیتؑ ایسی خرافات سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے احتجاج کریں اور اس طرح استغاثہ حسینی پر لبیک کہنے والوں میں شامل ہو جائیں۔

حصّہ اوّل

خلاف عقل وفطرت روایات اور علماء کے قیاسی عقائد کی مثالیں

(۱) ہمارے علمائے کرام کی تمام کتب تفاسیر وعقائد دیکھ جایئے۔ اُن کے عقائد کی بنیاد نظام بطلیموسی پر قائم ہے کہ زمین کائنات کا مرکز ہے اس کے اوپر تہ بہ تہ پیاز کے چھلکوں کی طرح سات آسمان ہیں اس پر آٹھواں آسمان عرش ہے۔ اور نواں کرسی ہے۔ اور بعض علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ آٹھواں آسمان کرسی ہے اور نواں عرش ہے اور نواں آسمان اپنے تمام ستاروں اور آسمانوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے میں زمین کے گرد ایک چکر لگاتا ہے چنانچہ مولوی فرمان علی صاحب کے ترجمہ قرآن اور حواشی میں سورہ اعراف آیت ۵۴ کے حاشیہ پر ہے۔ ''عرش ہی کو فلاسفہ آسمان نہم اور فلک الافلاک کہتے ہیں جو کل آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔''

یہ آٹھ نو تہ بہ تہ آسمانوں کا نظام کئی سو برس گزرے باطل ثابت ہو چکا ہے۔ پھر اس علم ودانش کے زمانہ میں ایسی جہالت کی باتیں اہل بیتؑ سے علم حاصل کرنے کے مدعیوں کی طرف سے پیش کی جائیں اور کسی صاحب عقل کو احساس نہ ہو۔ یہی حماقت آمیز روایات ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی گمراہی کا باعث ہو رہی ہیں۔ اگر قرآن اور اہل بیتؑ نے حقیقت نہ بتلائی ہوتی تب تو ان علماء پر الزام نہ تھا مگر جب حقیقت ظاہر کر دی گئی ہے اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کئے قیاسی عقائد اہل بیتؑ سے منسوب کئے جاتے ہیں تو ضرور مورد الزام ہیں۔

قرآن کریم نے بتلادیا ہے ''ہم نے تمہارے اوپر سات راستے خلق کئے۔'' اب تحقیق جدید سے ثابت ہوگیا کہ زمین کے اوپر سات سیاروں کے مدار ہیں یعنی ایک چاند کا مدار اور اس پر چھ سیاروں کے مدار (ORBITS) ہیں اس کی باطنی تفسیر آلِ رسولؐ نے یہ بتلائی ہے کہ ''خدا کے آسمان ہم ہیں'' اب شمار کرلیں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سات ہی نام ہیں۔ یہی خدا کے سات آسمان ہیں۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب جلد سوئم میں ایسی متعدد احادیث نقل فرمائی ہیں۔ ان احادیث کو دیکھنے کے بعد ضعیف روایات سمجھ کر نظر انداز کر کے زمانۂ جہالت کے ان عقائد کو اہل بیتؑ کی تعلیم ظاہر کرنا کیا ان کے دعویٰ محبت کے خلاف نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں کتاب ''اللہ و کائنات'' مصنف مولانا علی حیدر صاحب مرحوم مطبوعہ مطلع شمس کراچی صفحہ ۱۶۲ ملاحظہ فرمادیں۔

''اگر خدا چاہے تو بتا سکتا ہے اور اس نے ان لوگوں کے ذریعہ سے بھی بتلادیا جن کو اس نے علم وحکمت لوگوں کو دینے کے لئے مقرر کیا تھا''۔

(مولوی صاحب جو کچھ اہل بیتؑ کے بتلائے ہوئے علم کا اظہار فرما رہے ہیں اس کا لب لباب یہ ہے) ''لیکن یہ ضرور بتادیا ہے کہ جہاں یہ آسمان اوّل ختم ہوجاتا ہے وہاں اس کے بعد جو چیز ہے وہ بھی ایک زمین ہی ہے اور اُس زمین کے اوپر اسی پیاز کے چھلکے کی طرح دوسرا آسمان پھیلا ہوا ہے اور دوسرے آسمان کی حدیں جہاں ختم ہوتی ہیں، وہاں تیسری زمین ہے اور اس پر پھر تیسرا آسمان ہے اور اس آسمان کے چاروں طرف پیاز کے چھلکے کی طرح چوتھی زمین ہے اور اس پر چوتھا آسمان ہے اسی طرح اس کی حدیں بھی لق و دق گہرائی سے آگے ہیں۔ پھر پانچویں زمین پھر پانچواں آسمان اور آخر میں ساتویں زمین اور ساتواں آسمان اور اس کے اوپر عرش و کرسی وغیرہ ہیں''۔

ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی صاحب نے بطلیموسی نظام میں اور زمینوں کا اپنی طرف سے اضافہ فرمادیا۔

(۲) ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب سورہ الم سجدہ آیت نمبر۴ حاشیہ ''ایک ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے...... دوسرے ترجمہ سے اتنا زیادہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگرچہ وہ خود لامکاں ہے اور ہر جگہ موجود ہے مگر اس کے کارکن اور منتظمین قضاء و قدر کا صدر مقام اور اس کے احکام کا سررشتہ دفتر آسمان ہے، وہیں سے احکام صادر ہوتے ہیں''۔

اس زمانہ میں تو اسکول کے طالب علم بھی جانتے ہیں کہ اوپر نیچے کوئی سمت ہی نہیں اور ہمارے علمائے کرام کے اللہ تعالیٰ کا ہیڈ آفس اوپر ہے اب تو ہیڈ آفس معدوم ہوگیا لہٰذا صدور احکام معطل ہوچکا۔ افسوس۔

بتائیں کہ جن ائمہ کی طرف سے ایسی جہالت کی باتیں پیش کی جائیں گی۔ صاحبان عقل اُن سے محبت کریں گے یا روگردانی۔

(۳) ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب۔ سورہ اعراف کی پہلی آیت پر حاشیہ نمبر۲ میں ہے ''ایک حدیث میں ہے...... ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بنی اُمیہ میں سے ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا کہنے لگا المص سے خدا کی کیا مراد ہے اور اس سے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو تو ان مصالح کو کیا جانے، ایک معمولی بات یہ ہے کہ الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس صاد کے نوّے ایکسو اکسٹھ ہوئے۔ یہ اشارہ اس طرف ہے کہ تیرے بھائیوں (بنی اُمیہ) کی حکومت ۱۶۱ھ تک رہے گی۔ یہ پیشگوئی ایسی سچی نکلی کہ ۱۶۱ھ میں اُن کی سلطنت زائل ہوگئی''۔

دیکھا آپ نے اپنے علمائے کرام کے علم کو۔ کون احمق ایسا ہوگا جو اس خرافات کو

قول معصوم سمجھ لے۔ بنی اُمیہ کی حکومت ۱۳۲ھ میں تمام ہوئی اور مولوی صاحب فرمارہے ہیں ''یہ پیشگوئی ایسی سچی ثابت ہوئی کہ ۱۶۱ھ میں ان کی سلطنت زائل ہوگئی'' ان علماء نے اسی طرح کی جہالت کی بے شمار روایات اہل بیتؑ سے منسوب کرکے دنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔

اب علامہ ابن بابویہ قمی کی تصنیف کردہ تفسیر قمی بھی ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ مقبول ترجمہ پارہ پندرہ "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ" کی تفسیر ضمیمہ نوٹ نمبر۱ کے تحت مرقوم ہے ''تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے'' اس کے بعد بہت طویل روایت درج کی ہے جو بڑی تقطیع کے تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے چند خاص اجزاء ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ اس روایت میں وارد ہے کہ جب حضور سرورِ کائناتؐ معراج کے لئے مدینہ سے روانہ ہوتے ہیں تو راستے کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) ''پھر میں آگے بڑھا تو میں نے ایک اور آواز سنی جس نے میرا دل دہلا دیا''۔

کیا شان ہے علماء کی نظر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ تو کیا حضورؐ کا بچے کا کلیجہ تھا جو دھکڑ دھوں ہونے لگا۔

اب اس آواز کی تشریح دوسرے صفحہ پر درج ہے۔ کہ جبرئیل امینؑ حضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ راہ میں انہوں نے حضرتؐ سے دریافت کیا کہ اس وقت تک آپ نے کیا کیا دیکھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ کے حالات سنائے اور ان میں یہ بھی سنایا'' پھر مجھے ہولناک آواز آئی جس نے میرا دل دہلا دیا۔

جبرئیل بولے یا رسول اللہؐ آپ نے کچھ سنا؟ ہاں کچھ سنا۔ کہنے لگے ستر برس کا عرصہ ہوتا ہے کہ جہنم کے کنارے ایک پتھر تھا جسے میں نے اس میں دھکیل دیا تھا اس وقت وہ تہ میں جا کر بیٹھا ہے۔ کہتے ہیں اس خبر کو سننے کے بعد جب تک آنحضرتؐ زندہ رہے کبھی نہیں ہنسے''

اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ علماء کے نزدیک پہلے رسول اللہؐ کو جہنم کے متعلق کافی علم نہ تھا اس لئے ہنس لیا کرتے ہوں گے۔ اور یہ بھی تعجب خیز ہے کہ فرشتے بھی لونڈھار پن کے کام کرتے ہیں۔ ان کے جبرئیل سے کوئی پوچھے کہ آپ کو یہ کیا شرارت سوجھی تھی کہ جہنم میں پتھر تو دھکیل دیا یہ خیال نہ کیا کہ اگر فرشتگان عذاب میں سے کسی کے سر پر جا پڑا تو اللہ تعالیٰ کی باز پرس میں بندھے رہیں گے۔

(۲) معاذ اللہ رسولؐ فرماتے ہیں'' پھر ہم سوار ہو کر چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے اور جس مقام پر انبیاء سابقین سواریاں باندھا کرتے تھے اسی میں، میں نے براق کو باندھ دیا۔ اور مسجد میں داخل ہوا'' علماء کے نزدیک گویا بُراق بھی معمولی سواری تھی جسے باندھنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر اڑ جاتا تو سفر معراج کیسے ہوسکتا۔

(۳) (مسجد میں داخل ہوئے تو) ''جبرئیل امین میرے ساتھ تھے۔ یہاں ہم نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ انبیاء کے گروہ میں جو مشیت ایزدی سے وہاں موجود تھے دیکھا۔ وہ سب میرے گرد جمع ہوگئے۔ اقامت کہی گئی مجھے ذرا بھی شک نہ تھا کہ جبرئیل سب سے آگے کھڑے ہوں گے مگر جب صفیں درست ہوگئیں۔ تو جبرئیل نے میرا بازو پکڑ کے سب سے آگے کھڑا کر دیا۔ میں نے سب کی پیش نمازی کی مگر مجھے اس بات پر ذرا بھی فکر نہیں ہے''۔

چونکہ علماء کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول نماز نہیں پڑھا سکتا روایت کے مطابق معاذ اللہ رسول خداؐ نے جبرئیل کو جو حضرت آدمؑ کو سجدہ کر چکے تھے اپنے سے افضل سمجھا۔ کیا علماء کی نظر میں یہی مبلغ علم و ایمان ہے جناب رسالت مآبؐ کا؟ افسوس تو یہ ہے کہ اس روایت کو حضرت صادق آل محمدؐ کا قول ظاہر کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

(۴) جبرئیل کے ساتھ بیت المقدس سے روانہ ہو کر باب آسمان اوّل پر پہنچے جس

پر اسمٰعیل نامی فرشتہ موکل ہے۔''اس فرشتے نے پوچھا جبرئیل یہ تمہارے ساتھ کون بزرگوار ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا میرے ہمراہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں'' اس نے کہا'' کیا وہ جناب مبعوث ہوگئے''۔ جبرئیل نے کہا'' ہاں۔ پس اس نے آسمان کا دروازہ کھول دیا''۔

غور فرمائیں فرشتے کو رسول کی معرفت نہ ہوسکی۔ پھر ضرورت تو اس کی تھی کہ محبوب کے لئے دروازہ پہلے سے کھلا رکھا جائے مگر جب تک جرح قدح پوری نہ ہوئی آنحضرتؐ کے لئے دروازہ نہیں کھولا گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جبرئیل امین ہر وقت وحی لئے ہوئے باب آسمان اوّل سے گزرتے رہتے ہوں گے مگر باب آسمان اوّل کے موکل کو بعثت رسولؐ کی خبر نہیں تھی۔ چوتھا امر یہ کہ معاذ اللہ رسولؐ اور ائمہ کے نزدیک آسمان سخت اجسام ہیں۔ جن میں گزرنے کے لئے بڑے بڑے پھاٹک لگے ہیں۔ اب جبکہ بچے بھی جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ راکٹ بے روک ٹوک آسمانوں سے گزر رہے ہیں۔ ایسی بے سروپا روایات کو ائمہ علیہم السلام سے منسوب کر کے پیش کرنا۔ کیا ان کی توہین نہیں ہے؟

اب یہ روایت یوں آگے بڑھتی ہے۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں:

(۵) ایک فرشتہ میں نے دیکھا جس سے بڑی مخلوق پہلے نہ دیکھی تھی۔ صورت اس کی بدصورت اور چہرے سے غیظ وغضب کے آثار نمایاں تھے۔ اس نے مثل اوروں کے سلام و دعا کے کلمات تو کہے مگر ہنسا نہیں...... میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہے؟ میں تو پریشان ہوگیا''

جبرئیل نے کہا'' اس سے تو پریشان ہونا ہی چاہئے۔ یہ مالک داروغہ جہنم ہے''۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اوّل مخلوق جن کے سامنے سب مخلوق پیدا ہوئی ان کے متعلق یہ کہا جائے کہ انہوں نے اتنی بڑی مخلوق کو دیکھا ہی نہ تھا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ مدینۃ العلم کو دکھایا

جا رہا ہے کہ ان کو اتنی معرفت بھی نہ تھی کہ یہ پہچان سکتے کہ یہ کون مخلوق ہے تیسری عجیب بات یہ ہے کہ فرشتے ہنستے بھی ہیں۔ چوتھا امر یہ ہے کہ رسول اللہ کی یہ منزلت دکھائی جا رہی ہے کہ ایک ڈراؤنی شکل دیکھ کر پریشان ہوگئے۔ صد افسوس کہ اس قسم کی بے سروپا روایات کو اہل بیتؑ کے علوم ظاہر کیا جاتا ہے۔ اب روایت آگے چلتی ہے۔

(۶) ''پھر میں نے جبرئیل سے کہا...... اے جبرئیل آیا تم مالک کو حکم نہیں دیتے کہ وہ ہمیں دوزخ کا معائنہ کرادے۔ جبرئیل نے مالک سے فرمایا اے مالک جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہنم کا معائنہ کرادو یہ سنتے ہی اس نے اوّل تو دوزخ کی آڑ کو دور کیا پھر اس کا ایک دروازہ کھول دیا پس اس سے ایک شعلہ بلند ہوا جو آسمان میں پھیل گیا جہنم کی آگ بھڑکی اور بلند ہوئی یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھے لپیٹ لے گی''۔

روایت سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ جہنم کے آگے فائر پروف سلائیڈنگ گیٹ بھی لگا ہوا ہے۔ شاید اس لئے کہ آسمان پر رہنے والے فرشتوں کو جہنم کی گرمی سے اذیت نہ ہو۔ یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ علماء کے نزدیک رسولؐ کے ایمان کی یہ منزلت ہے کہ ان کو معاذ اللہ یہ گمان ہوگیا کہ جہنم کی آگ ان کو لپیٹ لے گی۔ تو کیا اللہ تعالیٰ محبوب کا انتظار ہی کرتے رہ جاتے۔ بجائے اس کے کہ نور رسالتؐ کے سامنے شعلے سرد پڑ جاتے وہ بھڑکتے رہے۔ روایت موضوع کرتے وقت یہ بھی بھول گئے کہ ان کے نزدیک تو جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے پھر یہ آسمان پر کیسے جا پہنچا۔ غور فرمائیں کہ علماء نے عدم معرفت کے باعث اہل بیتؑ کے مقدس دین کو کیسا مسخ کردیا ہے۔

(۷) رسول اللہ فرماتے ہیں'' پھر میں نے ایک فرشتے کو دیکھا آدھا بدن اس کا آگ کا ہے اور آدھا برف کا''۔

احادث میں ہے کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں مگر روایت منسوب بآل رسولؐ میں انہیں مادی دکھلایا جارہا ہے۔

(۸) آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام کی ملاقاتوں کے متعلق روایت کے مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ کو دیکھا۔ دوسرے پر حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو تیسرے پر حضرت یوسفؑ کو چوتھے پر حضرت ادریسؑ کو پانچویں پر حضرت ہارونؑ کو چھٹے پر حضرت موسیٰؑ کو اور ساتویں پر بیت المقدس کے دروازے پر حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا۔

روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر نبی کی ملاقات کے وقت رسول اللہ جبرئیل سے دریافت کرتے رہے کہ اخی جبرئیل یہ کون ہیں۔ اور جبرئیل ہر نبی ورسول کا تعارف کراتے رہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ کو معاذ اللہ اتنی بھی بصیرت نہ تھی کہ انبیاء ورسل کو خود پہچان سکتے۔ دوسرا امر یہ کہ حضرت عیسیٰؑ دوسرے آسمان پر ملے حالانکہ ان کے لئے تو خود علماء فرماتے ہیں کہ چوتھے آسمان پر ہیں پھر دوسرے پر کیسے آگئے۔ تیسرا امر یہ ہے کہ رسول بمطابق روایت تمام انبیاء سے بیت المقدس میں ملاقات کرکے آسمان کی طرف روانہ ہوئے تھے چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ سب کو بھول گئے اور ہر ایک کے لئے جبرئیل سے پوچھتے رہے کہ یہ کون ہیں۔

یہ روایت بڑے سائز کے ۱۳ صفحات پر ہے۔ شروع سے نویں صفحہ پر امام معصوم کی زبانی رسول پر سخت اتہام لگایا ہے۔ روایت میں وارد ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں

(نقل کفر کفر نباشد)

(۹) ''منجملہ ان عجیب چیزوں کے...... میں نے ایک مرغ کو دیکھا جس کے دونوں پاؤں ساتویں زمین کی تہہ تک پہنچے ہوئے ہیں اور قد اوپر کو بڑھتا گیا ہے۔ یہاں تک کہ

ساتویں زمین کی ہوا میں جانکلا اور اس سے بھی بڑھتے بڑھتے قریب عرش پر جاکر ختم ہوا وہ ہمیشہ تسبیح کرتا ہے۔ (سبحان ربی...... الخ) اس مرغ کے مونڈھوں پر دو بازو ہیں۔ ان دونوں کو جب پھیلاتا ہے تو مشرق ومغرب سے نکل جاتے ہیں۔ جب صبح ہوتی ہے تو وہ اپنے دونوں بازو پھیلا کر پھڑ پھڑاتا ہے اور یہ تسبیح کرتا ہے (سبحان الملک القدوس......) جس وقت وہ یہ کہتا ہے تو زمین کے کل مرغ تسبیح کرتے ہیں اور اپنے اپنے بازوؤں کو پھڑ پھڑاتے ہیں اور چیخنے لگتے ہیں اور جب آسمان کا وہ مرغ خاموش ہوجاتا ہے۔ تو زمین کے مرغ بھی خاموش ہوجاتے ہیں''۔

جب علماء کے عقیدے کے مطابق آسمان سخت اجسام ہیں تو یہ مرغ ساتوں آسمان پھاڑ کے بیٹھا ہے یا بڑے بڑے ہزاروں میل لانبے چوڑے سوراخ اللہ تعالیٰ نے مرغ کا جسم گزارنے کے لئے بنائے ہوئے ہیں۔ اور روایت ظاہر کرتی ہے کہ ساتویں آسمان پر ہوا بھی ہے بھلا اس عقل ودانش کے زمانہ میں ایسے رسول اور ایسے اماموں کی کون عزت کرسکتا ہے اور ان کو خدا کا نائب جان سکتا ہے جن کو یہ بھی پتہ نہ ہو کہ زمین پر تو ہردم صبح رہتی ہے۔

یہ پوری روایت ایسے ہی خلاف عقل خرافات سے مملو ہے جو ظاہر ہے کہ معصومین سے منقول متصور نہیں ہوسکتی۔ پھر آپ ہی بتلائیں کہ آل رسول کی یہ تذلیل وتوہین کن ہاتھوں سے ہورہی ہے۔

اب ایک مثال کتاب گوہر یگانہ درحالات وارشادات امام زمانہ مطبوعہ ادارہ آل محمد وسن پورہ لاہور سے ملاحظہ فرمائیں صفحہ ۵۳ ''علامتِ ظہور'' گیارہویں علامت۔ آفتاب میں کھڑکی نمودار ہونا جس میں سے حضرت عیسیٰؑ بذریعہ لکہ ابر زمین پر تشریف لاویں گے''۔

ایک معمولی عقل کا آدمی بھی آفتاب میں کھڑکی نمودار ہونے کو قول معصوم تسلیم نہیں

کرسکتا۔ یہ تو کھلا ہوا افترا اور بہتان ہے۔

اب بڑی معتبر و مستند کتاب جس پر عقائد مذہبی کی بنیادیں قائم ہیں "اعتقادیہ شیخ صدوق" کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ "اعتقادیہ شیخ صدوق مترجمہ محمد اعجاز حسن بدایونی مطبوعہ مکتبہ امامیہ اُردو بازار لاہور" ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ارادہ و مشیت کے باب میں صفحہ ۲۲ "اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کو ہمیشہ سے علم تھا کہ امام حسین علیہ السلام ظلم سے شہید کئے جائیں گے اور اس شہادت سے اُن جناب کو دائمی سعادت ملے گی......اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے جو چاہا وہ ہوا اور جو اسے منظور نہ تھا نہ ہوا"۔

سبحان اللہ کیا بیان ہے "تو کیا سوائے امام حسین علیہ السلام قتل ہوں پس وہ قتل ہو گئے یزید نے اللہ تعالیٰ کی خواہش پوری کر دی"۔

(۲) بدا کے متعلق عقیدہ: صفحہ ۵۵ "ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خدا ہر روز نیا کام کرتا ہے"۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ روز و شب تو زمین پر ہوتے ہیں۔ وہ بھی نصف کرہ میں دن اور نصف میں رات۔ پھر ہر روز نئے کام سے کیا مراد ہے۔

(۳) کرسی کے متعلق عقیدہ صفحہ ۶۲ "کرسی کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کرسی ایک ظرف ہے جس میں تمام مخلوقات اور عرش اور سارے آسمان اور زمین اور وہ سب چیزیں ہیں جو خدا نے پیدا کی ہیں"۔ پھر صفحہ ۶۳ پر ہے "امام جعفر صادق علیہ السلام سے کرسی کے معنی دریافت کئے تو فرمایا اس آیت میں کرسی سے خدا کا علم مراد ہے"۔

ناظرین غور فرمائیں کہ قول معصوم کے خلاف عقیدہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔

(۴) اعراف کے متعلق عقیدہ۔ صفحہ ۱۲۲ "ہمارا عقیدہ اعراف کے بارے میں یہ

ہے کہ وہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک دیوار ہے"۔

علماء کا عقیدہ ہے کہ جنت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اور جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے، چنانچہ علامہ محمد حسین صاحب سابق پرنسپل دار العلوم محمدیہ سرگودھا اپنی کتاب "احسن الفوائد" فی شرح عقائد شیخ صدوق" میں صفحہ ۳۳۵ پر تحریر فرماتے ہیں "جنت ساتویں آسمان کے اوپر اور جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے" پھر لکھتے ہیں۔

"دو یہودی جناب امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنت اور جہنم کے مقام کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اما الجنت ففی السماء و اما النار ففی الارض یعنی جنت آسمانوں کے اوپر اور جہنم زمین کے نیچے ہے"۔

قارئین ملاحظہ فرمالیں کہ کس طرح کلام معصوم میں تحریف کی جاتی ہے۔ مولا نے تو فرمایا: فی السماء (سماء میں ہے) اور کسی لغت میں "فی" کے معنی اوپر نہیں ہیں۔ مگر مولانا ترجمہ کرتے ہیں "آسمانوں کے اوپر اور فی الارض کا ترجمہ زمین میں کے بجائے زمین کے نیچے" غرض یہ کہ یہ تو ثابت ہو گیا کہ علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت ساتویں آسمان کے اوپر اور جہنم ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اعراف جو جنت و دوزخ کے درمیان دیوار بنی ہوئی ہے وہ اُفقی ہے یا عمودی وہاں دیوار کیسے بن سکتی ہے۔ مولانا نے اس امر کی بھی کوئی توضیح نہیں فرمائی کہ وہ دیوار کیسے بن سکتی ہے۔ مولانا نے اس امر کی بھی کوئی توضیح نہیں فرمائی کہ وہ دیوار پختہ اینٹوں کی ہوگی یا خام کی، پتھروں کی ہوگی یا سیمنٹ کی۔ حیرت ہے کہ یہ عقائد اہل بیت کے تعلیم کردہ ظاہر کئے جاتے ہیں۔ کیا واقعتاً آل رسولؐ کی نیابت محبت و پیروی کے مدعی اپنی زبان اور قلم سے معصومین پر ظلم نہیں کر رہے ہیں۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب جلد سوئم میں صفحہ ۷۷ پر فرمان امیر المومنینؑ نقل فرمایا ہے "اور ہم ہی وہ اعراف ہیں

جن کے ذریعے سے خدا صراط مستقیم پر ہمارے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانے گا''۔ اسی طرح اور احادیث بھی ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اعراف سے مراد ائمہ علیہ السلام ہیں۔مگر شیعہ حضرات کیلئے تو عالم دین کا قول ہی حجت ہوسکتا ہے۔اگرچہ وہ قول امام کے خلاف ہو۔

(۵) عرش کے متعلق عقیدہ:۔صفحہ ۶۳ ''عرش کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ساری خلقت کے مجموعہ کا نام عرش ہے۔اور عرش کے دوسرے معنی علم خدا کے بھی ہیں۔قول خدا کا مطلب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے معلوم کیا گیا (پ۱۳ع۱۶) الرحمن علی العرش استوی۔ (رحمٰن عرش پر غالب ہوگیا) اس سے کیا مراد ہے۔حضرت نے فرمایا ''خدا اپنی مخلوق سے یکساں نسبت رکھتا ہے ایسا نہیں کہ ایک چیز اس سے قریب ہو اور دوسری دور ہو'' لیکن وہ عرش جو ساری دنیا کا مجموعہ ہے اس کے حامل آٹھ فرشتے ہیں کہ ہر ایک کی آٹھ آنکھیں ہیں ہر آنکھ ساری دنیا کو ڈھانک سکتی ہیں۔ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ آدمی کی صورت ہے جو بنی آدم کے لئے خدا سے روزی طلب کرتا ہے دوسرا فرشتہ بیل کی صورت ہے جو خدا سے چوپاؤں کے لئے رزق مانگتا ہے۔تیسرا فرشتہ شیر کی صورت ہے جو درندوں کے لئے خدا سے روزی کی دعا کرتا ہے۔چوتھا فرشتہ مرغ کی ہیئت کا ہے جو اللہ سے سارے پرندوں کے لئے رزق مانگتا ہے۔یہ حاملان عرش اس وقت چار ہیں اور روز قیامت آٹھ ہوجائیں گے لیکن عرش بمعنی علم اس کے حاملین چار اولین میں سے ہیں اور چار آخرین میں سے ہیں اولین میں سے چار یہ ہیں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور آخرین میں سے چار یہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہم السلام۔

ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ عرش اور حاملان عرش کے متعلق ائمہ علیہم السلام نے تو

حقائق کا اظہار فرمادیا ہے مگر معلوم ہوتا ہے شیخ صاحب کے ذہن میں جو مادی قلعہ بنا ہوا تھا وہ اہل بیتؑ کی مبنی برحقیقت احادیث سے نہیں گر سکا۔

(۶) صراط کے متعلقہ اعتقاد: صفحہ ۱۲۴ ''صراط کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ برحق ہے اور وہ جہنم کا پل ہے اور وہ ساری مخلوقات کی گزرگاہ ہے۔خدا نے فرمایا ہے کہ تم سب اس پر (دوزخ پر) ضرور وارد ہوگے تمہارے پروردگار پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے''۔

پ۱۶ع۸ میں فرمان باری ہے "واردھا" (اس پر ضرور وارد ہوگے) مگر مترجم صاحب نے ترجمہ میں ''دوزخ پر'' بڑھادیا، یعنی تم سب دوزخ پر ضرور وارد ہوگے'' اور صراط کے دوسرے معنی کے لحاظ سے نام ہے خدا کی حجتوں کا پس جو شخص دنیا میں ان کی معرفت رکھتا ہے اور ان کا مطیع ہے تو خدائے عزوجل قیامت کے دن اسے پروانہ راہداری عطا فرمائے گا''

کتاب ''احسن الفوائد'' فی شرح عقائد شیخ صدوق۔میں صفحہ ۳۰۶ سے ۳۱۰ تک صراط پر مفصل مباحث درج ہیں۔جس کا اقتباس پیش کرتا ہوں ''صراط کے لغوی معنی راستہ کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں صراط اس پل کا نام ہے جو بروز قیامت دوزخ کے اوپر ہوگی جس کا ایک سرا میدان حشر میں اور دوسرا جنت کے ساتھ ملا ہوگا۔جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگی۔تمام اولین اور آخرین کو اس کے اوپر سے گزرنا ہوگا۔یہی مطلب اس آیت کا ہے وما منکم الا واردھا اور تم میں کا کوئی ایسا نہیں جو اس پر سے نہ گزرے پل صراط کے برحق ہونے کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے جس پر تمام فرقہ ہائے اسلام کا باوجود اپنے اختلاف فکر ونظر کے اتفاق ہے''۔

صراط کے متعلق ایک تاویل علیل: بعض علماء نے صراط سے وہ دینی راستہ مراد لیا ہے جو سیدھا ہے اور خوشنودی خدا تک پہنچانے والا ہے۔اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط

ہے یہ راستہ شریعت اسلامیہ ہے جو بہ توسط ائمہ ہدیٰ حاصل ہوا کیونکہ مومنین کو اس پر چلنا آسان ہے مگر کفار و منافقین و نواصب و خوارج وغیرہ کو اس پر چلنا اس طرح مشکل معلوم ہوتا ہے گویا وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے‘‘۔

’’جن حضرات نے پل صراط کی اس طرح تاویل علیل کی ہے اس طرح درحقیقت پل صراط والے عقیدے سے راہ فرار اختیار کرنا چاہی ہے۔ انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ اس شبہ کا جواب تو ہم بعد میں دیں گے سرِ دست یہ کہنا ہے کہ ان حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ صراط سے مراد وہ راستہ ہے جس میں افراط و تفریط نہ ہو، وہ سرکار آل محمدؐ کا راستہ ہے یہ معنی درست ہیں اس راستہ پر گامزن ہونے کی دعا تو ہر مسلمان نماز پنجگانہ میں مانگتا ہے اھدنا الصراط المستقیم، لیکن آل رسولؐ کے مسلک کو صراط مستقیم تسلیم کر لینے کا یہ مقصد نہیں کہ قیامت والا پُل صراط غیر صحیح ہے۔ بلکہ یہ دلیل ہے اس کی کہ صراط دو ہیں ایک ظاہری صراط جو قیامت کو ہوگی اور ایک صراطِ باطنی جو معرفتِ ائمہ حق اور اُن کی متابعت ہے‘‘۔

’’علامہ شبّر حق الیقین میں فرماتے ہیں صراط دو ہیں۔ ایک ظاہری (کہ جہنم پر ایک خاص پُل ہے) اور دوسری باطنی اور اس سے مراد رسولِ خدا اور ائمہ ہدیٰ ہیں۔ جیسا کہ ان کا ارشاد ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے صراط کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا ”ھو الطریق الی معرفت اللہ عزّ و جل“ یعنی صراط سے مراد معرفتِ خداوندی حاصل کرنے کا راستہ ہے پھر فرمایا صراط دو ہیں۔ ایک دنیا میں ایک آخرت میں جو صراط دنیا میں ہے وہ امام مفترض الطاعت ہیں۔ پس جو شخص دنیا میں ان کی معرفت حاصل کرے گا اور اُن کے نقش قدم پر چلے گا وہ اس پُل سے آسانی سے گزر جائے گا جو آخرت میں جہنم کے اوپر ہوگی اور جو شخص دنیا میں امام برحق کی معرفت حاصل نہ کرے گا اس کے قدم اس پر صراط پر پھسل جائیں

گے اور وہ آتش جہنم میں گر کر ہلاک ہو جائے گا‘‘۔

(مؤلف) ہادیان دین کا فریضہ ہے کہ حسب فرمان باری ”کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم“ لوگوں سے ان کے اندازۂ عقل کے مطابق کلام کریں۔ ان حضرات کو کفار و منافقین عوام جہال، احمق نادانوں ہر ذہن کے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ ہر مخاطب کے انذار و بشارت کے لئے اسی کی ذہنی تربیت و اہلیت کے مطابق کلام کریں۔ پس صاحبانِ فہم و اولی الالباب تو اُس کلام کو حق سمجھتے ہیں جو صاحبانِ ایمان سے کہا گیا۔ اور باقی ہر شخص ان ہی اقوال کو حقیقت سمجھتا ہے جو اس کے ہم جنس و ہم فہم سے کہا گیا ہو۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام صاحبان ایمان کے لئے حقائق بیان فرماتے تھے جن کو صاحبانِ عقل و ایمان حق سمجھتے ہیں۔ اور کفار و منافقین اور نادان جہال کے لئے اُن کی عقل و علم کے اندازے کے مطابق مادی تمثیلیں بھی بیان فرماتے تھے۔ اب جو شخص جس گروہ سے تعلق رکھتا ہوگا وہ اسی کو حقیقت سمجھے گا۔ جو اُس کے گروہ کے لئے کہا گیا ہوگا۔

پُل صراط پر گزرنے کی وجہ کے ذیل میں علامہ صاحب نے صفحہ ۳۰۹ پر عجیب مضحکہ خیز تاویلات تحریر فرمائی ہیں۔

’’بعض اہل علم نے صراط کی کئی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس قسم کے معمولی شبہات اور استبعادات سے متاثر ہو کر حقائق و ظواہر شریعت کی تاویل سازی شروع کر دی جائے تو شریعت اسلام کا مقدس چہرہ مسخ ہو کر رہ جائے گا‘‘۔

(مؤلف) کفار و منافقین پر اتمام حجت کے لئے جو کچھ رسولؐ اور آل رسولؐ نے مادی تمثیلوں میں بیان فرمایا ہے ان متشابہ اور مبنی بر تقیہ احادیث اور روایات موضوعہ پر بنا کر کے عدم معرفت کی وجہ سے جو بے بصیرت ناواقفوں نے شریعتِ قیاسی وضع فرمائی ہے۔ صاحبان

معرفت علماء کے مبنی برحقیقت اقوال سے اس موضوعہ قیاسی شریعت کا چہرہ ضرور مسخ ہو کر رہ جائے گا اور صاحبان ایمان اس کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے یہ قیاسی اور موضوعہ شریعت ہے۔

قصہ یہ ہے کہ دین کا تعلق تو نفسِ انسان سے ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد وحید تزکیہ نفس ہے لہٰذا قرآن وحدیث میں کیفیات نفس ہی کا ذکر ہے۔ اور مشکل یہ ہے کہ کیفیات نفس کا جو بیان بھی لفظوں میں کیا جائے گا ان الفاظ کے ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ اور ایسے تمام بیانات متشابہ ہوں گے۔ پس جو ان الفاظ کے ظاہری معنی مراد لے کر اُن کو حقیقت سمجھ لیں گے ہمیشہ گمراہی میں پڑے رہیں گے مثلاً سورہ یٰسین میں ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِيٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُوْنَ o (بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور وہ ٹھوریوں تک ہیں پس ان کے سر اُٹھے کے اُٹھے رہ گئے) یہ ایک کیفیت نفس بیان کی گئی ہے کہ کفار و مشرکین حق دیکھ نہیں سکتے۔ غور کر کے سمجھ نہیں سکتے۔ اب اگر کسی عالم سے سوال کیا جائے کہ جناب ہم نے تو کسی کافر کے گلے میں طوق نہیں دیکھا تو بتلائیں ان کے پاس کیا جواب ہے۔

مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یا علی الصراطُ صراطك (اے علی صراط تمہارا راستہ ہے) کہیں فرمایا یا علی انت الصراط (اے علی تم ہی تو صراط ہو) اور جناب امیر المومنین علیہ السلام نے وہ راستہ بھی بتلا دیا ہے کہ میرا راستہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ مَا اشرکتُ باللّٰه طرفة عَينٍ (میں نے پلک جھپکانے میں بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا) شیعوں میں بمشکل ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس نے مولا کا یہ فرمان نہ سنا ہو۔ مگر چونکہ لفظ پرستوں سے سنا ہے لہٰذا اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے۔ قشری علماء اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں اور یہی سامعین کو بتلاتے ہیں کہ مولا فرماتے ہیں، میں نے اتنی دیر بھی بت پرستی نہیں کی جتنی دیر میں

پلک جھپکتی ہے، اگر اس فرمان کا یہی مطلب ہے جو قشری علماء بتلاتے ہیں اور اپنی عدم معرفت سے سمجھے ہوئے ہیں تب تو یہ جناب امیر علیہ السلام کی کوئی خاص فضیلت نہ ہوئی۔ ہر شخص جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اتنی دیر کو بھی بُت پرستی نہیں کی جتنی دیر میں پلک جھپکتی ہے۔

جناب باری تعالیٰ عز اسمہ کا فرمان ہے ویجعل الرجس علی الذین لایعقلون o (اور اللہ نجاست ڈال دیتا ہے اُن پر جو عقل سے کام نہیں لیتے) پس جن پر خدا نجاست ڈال دے وہ اس کی رحمت سے دور یعنی لعنت میں گرفتار رہتے ہیں۔ پس جو لوگ عقل سے کام لینے والے ہوں گے وہی مولا کے اس فرمان کا اصل مفہوم سمجھ سکیں گے۔ بے عقلوں کے لئے اس کا سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ پس جو سمجھنا چاہیں تو چاہیئے کہ سنیں غور کریں اور سمجھیں کہ جسمِ انسان میں ہر دم و ہر لحظہ بے شمار افعال اضطراری (Automatic Actions) جاری رہتے ہیں مثلاً قلب کی حرکت، دورانِ خون، معدے، آنتوں، جگر اور گردوں کا کام وغیرہ وغیرہ ان میں کوئی کام ایسا نہیں کہ اس پر انسان کو اختیار بھی ہو کہ اپنے ارادے سے کر سکے۔ پس ایک پلک جھپکنے کا کام ہی وہ واحد فعل ہے جو غیر ارادی اور لاشعوری طور پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ اور اختیار اور ارادے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس پر انسان اختیار بھی حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اکثر مقامات پر واضح کر دیا گیا ہے کہ جو کام آدمی اختیار اور ارادے سے کر سکتا ہے اگر وہ لاشعوری طور پر صادر ہوگا تو وہ بندگی نفس اور شرک خفی ہوگا، اور وہی کام جب فریضۂ فطری جان کر ارادے سے کیا جائے تو وہ رب کی عبادتِ حقیقی ہو جائے گا اب سمجھیں کہ امیر المومنین تو یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے تو خواہش نفس کی خاطر غیر ارادی اور لاشعوری طور پر ایک مرتبہ بھی پلک نہیں جھپکائی۔ میں نے پیدائش سے اس وقت تک جو پلک بھی

جھکائی ہے فریضۂ فطری سمجھ کر ارادہ اور اختیار سے خدا کی عبادت کے لئے جھکائی ہے۔ میرا پلک جھپکانا بھی عبادتِ خالق ہی رہا ہے۔ اللّٰھم صلی علیٰ محمد و آلِ محمد۔

اب تو ہر صاحب عقل دیکھ سکتا ہے کہ یہ صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ بلا تائید ربانی کسی کی مجال نہیں کہ اس راہ پر ایک قدم بھی چل سکے۔ اس پر تو وہ خود ہی چلاتا ہے مگر اس کو جس کو اس کی طلب ہو۔

چونکہ علماء دین کی بنیادیں متشابہ آیات۔ متشابہ اور مبنی برتقیہ احادیث اور موضوعہ روایات پر قائم کرتے ہیں، اس لئے ہزاروں وساوس میں مبتلا رہتے ہیں جب کوئی شبہ وارد ہوتا ہے تو اس کی تاویلوں میں کتابیں کی کتابیں لکھ ڈالتے ہیں جس سے عوام جہال میں ان کا خوب پروپیگنڈہ ہوتا ہے اور علم دین میں کئی جلد کتابوں کا غیر ضروری اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایک صراط کے متعلق ہی دیکھ لیں کیسی کیسی تاویلات وضع کی جاتی ہیں۔ دیکھیں ''احسن الفوائد'' صفحہ ۳۱۰۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: جنت آسمانوں پر اور جہنم زمین پر ہے۔ تو یہ پُل صراط کس طرح رکھی جائے گی اور عبور کی کیا صورت ہوگی۔ اس شبہ کے جواب میں سرکار مجلسی کی تحقیق انیق کا پیش کر دینا ہی کافی ہے۔ (تاویل علامہ مجلسی) '' آیات واحادیث سے جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم آسمانوں کو شگافتہ کرنے اور ان کو لپیٹنے کے بعد جنت اور عرش کو زمین کے قریب اتار دے گا یہاں تک کہ جنت کی چھت عرشِ رحمٰن ہوگا اور بعید نہیں کہ اس قول خداوندی کہ ''جنت متقین کے لئے آراستہ پیراستہ کی جائے گی'' سے یہی مقصود ہو۔ اس وقت سمندر آگ بن جائیں گے۔ تب زمین سے جنت کی طرف صراط رکھی جائے گی''۔

(مؤلف) وہ علماء جو واقفانِ اسرارِ اہل بیتؑ ہیں جہاں ائمہ علیہم السلام کا مبنی برحقائق فرمان لکھتے ہیں وہاں اس کی ایسی تاویل بھی لکھ دیتے ہیں جو علماء قشریین کے قیاس کے

مطابق ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کی کتابوں کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کیا جاتا کہ ان کتابوں میں ظواہر شریعت سے انحراف کیا گیا ہے، ان کا پڑھنا جائز نہیں ان سے بے دینی پھیلتی ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ عوام اُن کتابوں کو نہ دیکھتے اور کسی فرد کو بھی تعلیم اہلبیتؑ کے حقائق نظر نہ آسکتے لہٰذا وہ ظاہر پرست علماء کے عقائد کے مطابق تاویلیں بھی لکھ دیتے ہیں۔ تا کہ اپنے عقائد کی محبت میں یہ لوگ حقائق بھی اٹھائے ہوئے چلیں جن سے طالبین کو نور مل سکے چنانچہ قشری علماء کے خوش کرنے کے لئے حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بڑی پُر لطف تاویلیں لکھ دی ہیں۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اگر غور کرے تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ یہ تاویل صرف بہلانے کے لئے کی گئی ہے۔ تا کہ ظاہر پرست علماء خوش ہوجائیں۔ مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں۔

(الف) جنت کو تو اتار کر نیچے رکھ دیا۔ یہ نہ بتلایا کہ اس کو اٹھائے رکھنے اور زمین کی سطح کی ہم سطح رو کے رکھنے کا کیا انتظام ہوگا۔ کتنے ہزار فرشتے اس کو پروں پر اُٹھائے رہیں گے۔

(ب) قیامت میں زمین ٹکڑے ٹکڑے ہوچکی ہوگی۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اُڑ چکے ہوں گے۔ تاویل کے مطابق آسمان شگافتہ ہو کر لپیٹے جاچکے ہوں گے تو پھر وہ کونسی زمین ہوگی جس پر صراط کا ایک سرا اٹکایا جائے گا۔

(ج) قشری علماء کا جہنم تو ساتویں زمین کے نیچے سے نکالا ہی نہیں پھر اس پر پُل کیسے رکھا جائے گا۔

(د) اس سب کے علاوہ ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ آسمان تو بلندی کو کہتے ہیں اور قرآن نے سیاروں کے راستوں کو یعنی مدار کو آسمان کہا ہے تو آسمانوں کو لپیٹنے سے کیا مراد ہوسکتی ہے۔ حضرت علامہ مجلسی رازوں اور حقیقتوں سے واقف تھے۔ انہوں نے قشری علماء کے

عقائد کے مطابق کہ تہ بہ تہ سات آسمان اور آٹھواں عرش ہے۔ایک لطیف مضحکہ خیز تاویل لکھ کر ان کو خوش کر دیا۔

قشری علماء اپنی عدم معرفت کی وجہ سے ائمہ علیہم السلام کے متعلق روایات وغیرہ میں جو غلطیاں کرتے رہتے ہیں انہیں کی مثل کتاب ''دینی کہانیاں'' مصنفہ حضرت ادیب اعظم شمس الواعظین مولانا سید ظفر حسن صاحب میں بھی اکثر غلطیاں ہیں۔جن میں سے خوف وحزن کے متعلق بعض کی مثالیں ''اہل البیتؑ'' حصہ سوم میں مدرج ہیں۔اس کتاب (دینی کہانیاں) میں سے یہاں چند ایسی غلطیاں دکھلانا مقصود ہیں جو مصنف کی ذرا سی توجہ سے درست ہو سکتی تھیں۔

(۱) حضرت علیؑ کی کہانی۔صفحہ ۲۶ ''خیر تو ہوا یہ کہ وہاں (بصرہ) میں طلحہ وزبیر کی کوشش اور حضرت عائشہ کی فریاد سے ہزار ہا آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔جب کوفے میں حضرت علیؑ کو یہ خبر پہنچی تو آپ اپنا لشکر لے کر بصرہ پہنچے''۔

(مؤلف) تاریخ سے واقف ہر شخص یہ جانتا ہے کہ امیر المومنینؑ تو جنگ جمل کے بعد کوفے تشریف لے گئے تھے۔

(۲) امام زین العابدینؑ کی کہانی۔صفحہ ۲۹ ''امام علیہ السلام نے ۵۷ برس کی عمر میں ۲۲ یا ۱۸ محرم الحرام ۹۵ ہجری کو وفات پائی جس کا سبب عبدالملک کا زہر دلوانا تھا''۔

(مؤلف) عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہوا۔ ۹۵ھ میں تو ولید بن عبدالملک کی حکومت تھی۔

(۳) امام جعفر صادق کی کہانی۔صفحہ ۴ ''امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں حسب ذیل سات بادشاہ تخت نشین ہوئے جو سب کے سب بنی امیہ میں سے تھے (۱) عبدالملک (۲) ولید بن عبدالملک (۳) سلیمان بن عبدالملک (۴) عمر بن عبدالعزیز (۵) یزید بن

ولید بن عبدالملک (۶) ہشام بن عبدالملک (۷) ولید بن یزید بن عبدالملک''۔

(مؤلف) ایک غلطی تو اس بیان میں یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک تخت نشین ہوا نہ کہ یزید بن ولید۔یزید بن ولید بن عبدالملک تو ولید بن یزید بن عبدالملک کے بعد تخت نشین ہوا۔دوسری بڑی غلطی یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت ۱۴۸ھ میں ہوئی جبکہ منصور عباسی کی سلطنت کا زمانہ تھا۔

آنحضرتؑ کے زمانہ میں دس بادشاہان بنی امیہ اور دو سلاطین بنی عباسی تخت نشین ہوئے۔ولید بن یزید بن عبدالملک کے بعد آٹھواں یزید بن ولید بن عبدالملک نواں ابراہیم بن ولید دسواں مروان ابن محمد بن مروان ملقب بہ حمار۔اسی پر ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس کی حکومت کا دور شروع ہوا۔پہلا بادشاہ ابوالعباس سفاح اور دوسرا منصور دوانقی جس کے زمانہ میں امام معصوم کو زہر دیا گیا۔

(۴) امام موسیٰ کاظمؑ کی کہانی،صفحہ ۲۔۳ ''امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ساتویں ماہ صفر روز پنجشنبہ ۱۲۸ھ میں بمقام ابوا پیدا ہوئے۔یہ وہ مقام ہے جہاں رسولؐ خدا کی والدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ولادت بھی یہیں ہوئی تھی۔یہ زمانہ منصور عباسی کی خلافت کا تھا'' پھر صفحہ ۴ پر تکرار ہوا ہے ''امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت عباسی خاندان کے مشہور ظالم بادشاہ منصور دوانقی کے عہد خلافت میں ہوئی تھی اور حضرت کی عمر کے دس سال اس کے زمانہ حکومت میں گزرے''۔

(مؤلف) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت (۱۲۸ھ) کے وقت تو بنی امیہ کا آخری بادشاہ مروان حکومت کر رہا تھا۔بنی عباس کی حکومت تو ۱۳۲ھ سے شروع ہوئی۔اور منصور کی حکومت کا زمانہ ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ۱۲۸ھ میں اور شہادت ۱۸۳ھ میں ہوئی اور منصور کی حکومت کا زمانہ ۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ بائیس برس تمام امام علیہ السلام کی حیات میں گزرا حیرت ہے کہ مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت کی عمر کے دس سال اس کے زمانہ حکومت میں گزرے''

(۵) امام علی رضاؑ کی کہانی صفحہ ۳ ''۱۸۳ھ میں جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو ان کے جانشین ہوئے یہ زمانہ مامون رشید کی سلطنت کا تھا''۔

(مؤلف) تاریخ سے واقف ہر فرد شیعہ جانتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون الرشید نے قید میں رکھا اور ۱۸۳ھ میں حضرت کو زہر دلوایا۔ مامون الرشید تو ۱۹۸ھ میں تخت نشین ہوا۔

(۶) امام علی نقی علیہ السلام کی کہانی صفحہ ۲ ''آپ پہلی رجب ۲۱۲ھ میں جب خلیفہ مامون عباسی کا زمانہ تھا مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اپنے پدر بزرگوار امام محمد تقی علیہ السلام کی طرح آپؑ بھی کم سنی کے زمانے میں درجۂ امامت پر فائز ہوئے۔ باپ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً چھ سال تھی''۔

(مؤلف) امام محمد تقی علیہ السلام کی کہانی میں صفحہ ۲۵ پر مولوی صاحب خود ہی لکھ آئے ہیں۔ ''حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات ۶ ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں واقع ہوئی'' اور امام علی نقی علیہ السلام کی ولادت پہلی رجب ۲۱۲ھ میں ہوئی۔ واضح ہے کہ ان تاریخوں کے لحاظ سے امام علی نقی علیہ السلام کی عمر درجہ امامت پر فائز ہوتے وقت تقریباً ساڑھے آٹھ سال تھی نہ کہ چھ سال۔

(۷) امام علی نقیؑ کی کہانی۔ صفحہ ۳۰ ''امام علی نقیؑ کی امامت کا زمانہ ۳۵ سال

تھا..... آپ نے انتقال فرمایا۔ یہ واقعہ ۳ رجب ۲۵۴ھ کا ہے''۔

(مؤلف) امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات جیسا کہ ان کہانی میں کہا گیا ۶ ذی الحجہ ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ معمولی حساب کے مطابق تو امام محمد تقیؑ اور امام علی نقی علیہ السلام کی وفات کی تاریخوں کا درمیانی عرصہ (زمانہ امامت امام علی نقیؑ) ۳۳ سال اور تقریباً ۵ ماہ بنتا ہے نہ کہ ۳۵ سال۔

(۸) امام علی نقی علیہ السلام کی کہانی، صفحہ ۳۰ ''ستائیس برس کامل آپ سامرہ میں تشریف فرما رہے''۔ پھر صفحہ ۳۱ پر فرماتے ہیں ''امام علی نقی علیہ السلام کا قیام سامرہ میں تیس سال رہا''۔

(مؤلف) امام علی نقی علیہ السلام ۲۳۶ھ میں سامرہ تشریف لائے اور آنحضرت کی وفات ۲۵۴ھ میں واقع ہوئی۔ معمولی حساب کے مطابق تو ۲۳۶ھ سے ۲۵۴ھ تک اٹھارہ سال ہی بنتے ہیں۔ اور پھر ۳۰ اور ۳۱ صفحات کی تحریروں میں خود ہی مصنف نے اختلاف کیا ہے ایک صفحہ پر ۳۰ سال اور دوسرے پر ۲۷ سال تحریر کیا۔

(۹) امام حسن عسکریؑ کی کہانی صفحہ ۲۔ ''امام حسن عسکری علیہ السلام کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں آٹھویں ربیع الاول ۲۳۰ھ میں متوکل عباسی کے زمانہ میں ہوئی''۔

(مؤلف) متوکل عباسی ۲۳۲ھ میں تخت نشین ہوا یعنی آنحضرت کی ولادت کے دو برس بعد۔

(۱۰) امام حسن عسکریؑ کی کہانی۔ صفحہ ۱۲ ''معتمد ۲۵۷ھ میں تخت نشین ہوا''۔

پھر صفحہ ۱۶ ''امام مظلوم دو برس کامل اس کی قید شدید میں رہے''۔ پھر صفحہ ۲۱ ''امام علیہ السلام ۲۵۵ھ میں معتمد کی قید سے رہا ہو کر اپنی دولت سرا میں تشریف لائے''۔

(مؤلف) مندرجہ بالاتحریر کے مطابق معتمد ۲۵۷ھ میں تخت نشین ہوا اس نے امامؑ کو قید کیا۔ اس قید سخت میں امامؑ دو برس رہے اور ۲۵۵ھ میں رہا ہوئے یعنی معتمد کی تخت نشینی سے دو برس پہلے امام اسی کی قید سے دو برس کی قید سخت کے بعد رہا ہوئے۔

اب ناظرین کو اسی کتاب (دینی کہانیاں) کی چند ایسی غلطیاں دکھانا چاہتا ہوں جو استخفاف اہل بیتؑ پر دال ہیں۔

(۱) امام حسین علیہ السلام کی کہانی صفحہ ۴۔ ''ابورافع کہتے ہیں میں ایک دن حسینؑ کو جبکہ ان کا سن چھ سال تھا کھول کھلا رہا تھا۔ جب میں اپنی گولی گڑھے میں ڈال دیتا تو حسینؑ سے کہتا میں جیت گیا۔ اب مجھے اپنی پشت پر سوار کرو۔ وہ مسکرا کر کہتے کیا تم ایسے شخص پر سوار ہونا پسند کرتے ہو جس کو رسول اللہ نے اپنے شانوں اور پشت پر بٹھایا ہو۔ میں یہ سن کر مسکراتا اور خاموش ہو جاتا۔ لیکن جب حسینؑ کامیاب ہو جاتے تو مجھ سے کہتے۔ کیوں ابورافع کیا ایسے شخص کو اپنی پشت پر سوار نہ کرو گے جس کو رسول خدا نے اپنی پشت پر سوار کیا۔ میں یہ سن کر خوش ہوتا اور اپنی پشت پر سوار کر لیتا''۔

(مؤلف) ائمہ معصومین علیہم السلام کی متعدد احادیث ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ امام بچپن میں بھی کسی کھیل کود لہو و لعب میں مصروف نہیں ہوتا۔

(۲) امام حسینؑ کی کہانی صفحہ ۲۔ ''نتیجہ یہ ہوا کہ اہل بیتؑ مسلمانوں کی نظر میں حد درجہ ذلیل و خوار ہو گئے''۔

(مؤلف) کسی شیعہ اور پھر عالم کے قلم سے ایسے فقرہ کا نکلنا افسوسناک ہے۔

(۳) امام حسینؑ کی کہانی صفحہ ۱۴۔ ''پہلے آپ نے (امام حسینؑ نے) دونوں فوجوں کے درمیان کھڑے ہو کر با آواز بلند ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں اپنے فضائل و حقوق

بیان کئے۔ اس بدذات قوم کو عذاب خدا سے ڈرایا۔ رحم کی درخواست کی''۔

(مؤلف) کیا کوئی صاحب کسی روایت میں دکھلا سکتے ہیں کہ امام مظلوم علیہ السلام نے اعدائے دین سے رحم کی درخواست کی۔ ہائے افسوس ایسی کوئی روایت تو دشمنان اہل بیتؑ نے بھی نہیں کی۔

یہ دینی کہانیاں بچوں کی تعلیم کے لئے لکھی گئی ہیں، ناظرین غور فرما کر خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسی غلط تعلیم سے بچے کیا حاصل کریں گے۔

اب میں ناظرین کو ایک بہت بڑی افترا پردازی کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ دو راویوں نے پوری ایک جلد تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب کر دی ہے اور عوام سے اپنی پرستش کرانے کے لئے اس کا نام ہی تفسیر امام حسن عسکریؑ رکھ دیا تاکہ ہر فرد شیعہ امام کا نام دیکھ کر مرعوب ہو جائے اور کسی روایت پر تنقیدی نظر ڈال ہی نہ سکے۔ چنانچہ اس کتاب کی تصنیف سے آج تک کسی فرد کی تنقیدی نظر اس پر نہ پڑ سکی حالانکہ اس میں تین چہارم سے زیادہ موضوعہ کہانیاں ہیں۔ ان میں سے بعض موضوعات ناظرین کی خدمت میں پیش کروں گا مگر اس سے پہلے اس کے جعلی ہونے کا ثبوت اس کتاب کے دیباچہ یا تمہید سے ہی دکھلاتا ہوں، ملاحظہ ہو ''آثار حیدری'' اردو ترجمہ تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری علیہ السلام مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور صفحہ ۵۔

''خبر دی ہے کہ مجھ سے ابویعقوب یوسف ابن زیاد اور ابوالحسن علی ابن محمد ابن سیار نے کہ وہ دونوں مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ بیان کیا کہ ہم دونوں کے باپ امامیہ مذہب کے تھے اور ان دنوں فرقہ زیدیہ استر آباد میں سب پر غالب اور نہایت زور شور پر تھا اور حسن ابن زید علوی ملقب بہ داعی الی الحق امام الزیدیہ وہاں کا حاکم تھا۔ وہ اکثر اوقات زیدیوں کی باتیں سنتا

اور لوگوں کو ان کے چغلی کھانے پر قتل کر دیتا تھا ہم نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی جانوں کے تلف ہونے کا خوف پیدا ہوا اور اپنے اہل وعیال سمیت امام ابو محمد حسن ابن علی ابن محمد والد ماجد قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے بال بچوں کو ایک سرائے میں اتارا اور خود امام حسن عسکری علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہو کر اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ الغرض جب حضرت کی نظر ہم پر پڑی تو ارشاد فرمایا۔ مرحبا اے ہماری طرف پناہ لینے والو بعد ازاں فرمایا خدا نے تم دونوں کی سعی و کوشش کو قبول فرمایا اور تمہارے خوف کو مبدل بہ امن کیا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے سر سے ٹال دیا''۔ پھر صفحہ ۶ پر ''ایک دن ارشاد فرمایا کہ جب تم کو خبر پہنچے کہ خداوند عز و جل نے تمہارے باپوں کو شر اعدا سے بچا لیا اور بد خواہوں کو ذلیل و خوار کیا اور میرا وعدہ سچا نکلا تو میں شکرانہ الٰہی میں تم کو تفسیر قرآن سے مستفید کروں گا جو بعض احادیث آل محمدؐ کو شامل ہوگی۔ اور خداوند کریم اس کے سبب تمہاری شان کو عظیم و بزرگ کریگا''۔ پھر صفحہ ۸ پر ''جب امام علیہ السلام نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے جو تفسیر قرآن تعلیم کرنے کا تم سے وعدہ کیا تھا اس کے پورا کرنے کا یہی وقت ہے بعد ازاں فرمایا اب میں نے مقرر کر دیا کہ ہر روز تم کو کچھ تفسیر لکھوایا کروں گا۔ تم کو مناسب ہے کہ ہر وقت میرے پاس موجود رہو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تم کو سعادت کثیر سے بہرہ ور فرمائے گا۔ الغرض اوّل ہی اوّل جو کچھ حضرت نے ہم کو لکھوایا وہ چند حدیثیں ہیں جو قرآن اور اہل قرآن کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے بعد قرآن کی تفسیر لکھوائی سات برس تک ہم حضرت کی خدمت بابرکت میں رہے اور حضرت ہر روز کچھ تفسیر لکھواتے رہے اور ہم لکھتے جاتے تھے۔''

مؤلف: روایت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ راویوں کو امام علی نقی علیہ السلام کی خبر وفات اور ان کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام کے منصب امامت پر فائز ہونے کی خبر پہنچ چکی

تھی اور اس کی تصدیق بھی ہو چکی تھی کہ امام وقت آنحضرت ہی ہیں۔ اس پر تقریباً پانچ چھ مہینے تو صرف ہوئے ہی ہوں گے۔ تب تو سیدھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر اس کے بعد معاملات کا ان کے حق میں فیصل ہونا اور ان کے باپوں کا بذریعہ خط اس کی اطلاع دینا۔ اس پر بھی کچھ وقت صرف ہوا ہی ہوگا۔ یہ تمام وقفہ آٹھ نو ماہ کا تو ہونا ہی چاہیے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ امامت ۳ر رجب ۲۵۴ھ سے ۸ر ربیع الاوّل ۲۶۰ھ ہے۔ یہ کل زمانہ پانچ سال نو ماہ ہوتا ہے جس میں سے تقریباً ایک سال معتز باللہ اور دس ماہ مہدی کی قید میں گزرا۔ پھر معتمد ۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوا تو دو برس کامل اس کی قید شدید میں گزرے زمانہ قید (۳ سال ۱۰ ماہ) کو وضع کرنے کے بعد امام علیہ السلام کی امامت کا زمانہ آزادی ایک سال گیارہ ماہ ہوا۔ جس میں متذکرہ بالا ۸ یا ۹ ماہ کا زمانہ وضع کرنے کے بعد ایک سال ۳ ماہ کا زمانہ رہا۔ جس میں یہ راوی خدمت امام میں رہ سکتے تھے۔ مگر بمطابق روایت راوی پورے سات سال حضرت کی خدمت میں رہ کر تفسیر لکھتے رہے۔ کیا سرسری نظر میں ہی اس روایت کا بطلان ثابت نہیں ہے۔ کاش کوئی اس پر غور کرتا۔

اس تفسیر کو تنقیدی نظر سے دیکھنے والے پر تو واضح ہو جائے گا کہ اس میں تین چوتھائی سے زیادہ روایات موضوعہ خلاف عقل و فطرت اور خلاف روایت کہانیاں ہیں جو کلام معصوم ہو ہی نہیں سکتیں۔ نیز ان خبیثوں نے شیعوں کو گمراہ کرنے کے لئے تفسیر اہل بیتؑ کو لٹنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں ان راوی صاحبان نے ہم لوگوں پر اتنا احسان کیا ہے کہ چند احادیث ائمہ علیہم السلام بھی نقل کر دی ہیں۔ مگر ان میں بھی اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کر دیا ہے۔ خیر اگر وہ اتنی احادیث صحیح بھی نہ لکھتے تو ان سے محاسبہ کرنے والا کون تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ناصبی راویوں نے اس تفسیر کو امام علیہ السلام سے منسوب ہی

اس لئے کیا ہے کہ ہر شیعہ جو اس کو دیکھے امام کے نام سے ہی ایسا مرعوب ہو جائے کہ اس کو تنقیدی نظر ڈالنے کا خیال ہی نہ آسکے۔ اس کے ناقلین اور مترجمین پر کوئی الزام نہیں ان کے دل میں جو احترام اسم امام تھا اس کی وجہ سے ان کو یہ خیال نہ آسکا کہ اس پر غور کریں کہ یہ قول معصوم ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔

اب میں قارئین کو خلاف عقل وفطرت موضوعہ کہانیوں کی چند مثالیں دکھاتا ہوں۔

(۱) صفحہ ۱۲۷۔ ''امیر المومنین علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے آیہ الذی جعل لکم الاض فراشا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے۔ اور زمین کو پانی کے اوپر پھیلا دیا اور پانی کو سخت پتھر پر قائم کیا اس پتھر کو مچھلی پر مچھلی کو بیل پر اور بیل کو اس سنگ بزرگ پر جس کا ذکر لقمان نے اپنے بیٹے سے کیا''۔

صفحہ ۱۲۸۔ ''اور اس پتھر کو ثریٰ پر ٹھہرایا اور خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ ثریٰ کے نیچے کیا ہے۔ الغرض جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو خلق فرمایا تو اس کو کعبہ کے نیچے بچھایا۔ اور پھر اس کو پانی پر پھیلا دیا۔ وہ سب چیزوں پر محیط ہو گئی یہ حال دیکھ کر زمین فخر کرنے لگی اور کہنے لگی میں نے سب چیزوں کو گھیر لیا ہے۔ مجھ پر کون غالب آسکتا ہے۔ اور مچھلی کے کانوں میں سونے کی ایک زنجیر پڑی ہوئی تھی جس کا ایک سرا عرش سے ملا ہوا تھا تب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی حرکت میں آئی اس کے متحرک ہونے سے زمین اپنی تمام چیزوں سمیت ہلنے لگی جیسے کشتی پانی کی سطح پر ہلا کرتی ہے''۔

(مؤلف) قارئین غور فرمائیں کیا امام حسن عسکری علیہ السلام امیر المومنین سے ایسی بے سروپا خلاف عقل وفطرت روایت کر سکتے ہیں۔

(۲) صفحہ ۱۳۹ سے ۱۴۲ تک ایک بڑی مرصع کہانی درج ہے جس کا لب لباب یہ

ہے کہ شام سے ستر یہودی مکے میں آئے۔ حضور سرور کائنات کا سن اس وقت سات سال کا تھا اور حضرت روزانہ غار حرا میں جایا کرتے تھے یہود نے علامات سے جان لیا کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں، کئی مرتبہ دعوت پر حضرت کو بلایا اور گردن توڑی مرغی بھی چوری کی مرغی کھلانا چاہی۔ مگر لقمے حضرت کے ہاتھ سے گرتے رہے یہ دیکھ کر انہوں نے جان لیا کہ نبی آخر الزماں یہی ہیں۔ پھر انہوں نے قتل کا مشورہ کیا کہ غار حرا میں آتے جاتے راہ میں قتل کر دیں۔ ایک روز تلواروں کو زہر میں بجھا کر پہاڑ حرا پر حضرت کی راہ میں بیٹھ گئے جب حضرت تشریف لائے تو انہوں نے تلواریں سونت لیں مگر پہاڑ کے کنارے مل گئے اور حضور کے اور ان کے درمیان پہاڑ حائل ہو گیا۔ انہوں نے تلواریں میاں میں کر لیں تو پہاڑ ہٹ گیا۔ انہوں نے تلواریں پھر سونتیں پھر پہاڑ حائل ہو گیا۔ اسی طرح ۴۷ مرتبہ ہوا۔ حضرت غار میں تشریف لے گئے پھر جب نکلے تو یہود نے پھر حملہ کیا اور پھر پہاڑ حائل ہوا اور اسی طرح ۴۷ مرتبہ ہوا۔ بالآخر پہاڑ کے دونوں سرے مل گئے اور یہودیوں کو کچل ڈالا۔

(مؤلف) صاحبان عقل وفہم افتریٰ کی نوعیت پر غور کریں۔

(۳) ایسی ہی ایک بے سروپا حکایت صفحہ ۷۵ پر ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ امیر المومنینؑ ایک راستے سے گزرے تو فرماتے ہیں میں نے دیکھا ایک مومن کو شیر نے پکڑ رکھا ہے، اس کو نیچے دبا کر اوپر چڑھ بیٹھا ہے۔ میں نے شیر کو آواز دی مومن کو چھوڑ دے اس نے نہ چھوڑا میں نے اس کے پہلو میں ٹھوکر ماری کہ چیر کر بائیں پہلو سے نکل گئی۔

(مؤلف) خدا جھوٹوں پر جو معصومین پر افتریٰ باندھیں لعنت کرے۔ قارئین اس شیر کے نہ پنجے تھے نہ دانت بس مومن کو دبا کر رکھا تھا اور ایسا پکا منافق تھا کہ شیر خدا سے بھی نہ ڈرا۔ اور پیٹ پھٹنے پر بھی نہ خون نکلا نہ آلائش وغیرہ۔

(۴) صفحہ ۹۶-۱۹۷ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں میں مدینہ کے باہر محلّہ بنی فلاں میں جا رہا تھا۔ میرے آگے کچھ فاصلے پر ثابت بن قیس جا رہا تھا۔ وہ ایک عمیق کنویں کے کنارے پر پہنچا۔ ایک منافق نے اس کو دھکا دے کر کنویں میں گرا دیا۔ میں فوراً کنویں میں کود گیا اور قبل اس کے کہ ثابت پانی تک پہنچے میں نے اس کو ہاتھوں پر لے لیا۔ تو وہ منافق اپنے دو ہمراہیوں سمیت دو سو من کا پتھر اٹھا لائے اور کنویں میں ڈال دیا اس کو بھی میں نے ہاتھ پر روک لیا۔ پھر تین سو من کا پھر لائے وہ بھی کنویں میں ڈال دیا اور پھر پانچ سو من کا پتھر لائے اور ہمارے اوپر کنویں میں ڈالا میں نے سب کو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

(مؤلف) یہ ناصبی راوی جناب امیرؑ کا اعجاز دکھلا رہے ہیں یا منافقوں کا معجزہ کہ دو سو۔ تین سو اور پانچ سو من کے پتھر تین آدمی اٹھا لائے۔

(۵) صفحہ ۱۶۷-۱۶۸ پر امیر المومنینؑ کا ایک مضحکہ خیز معجزہ درج ہے۔ روایت کو امام زین العابدین علیہ السلام سے منسوب کیا ہے روایت کا لب لباب یہ ہے کہ ایک منافق نے جناب امیر علیہ السلام اور آپ کے اصحاب خاص کی دعوت کی اور سب کے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آنحضرتؐ کو مع اصحاب ایک دیوار کے پاس بٹھایا جو تیس گز لمبی پندرہ گز اونچی اور دو گز آثار کی تھی جسے بنیاد پر سے خالی کر کے نیچے لکڑیاں لگا کر کچھ منافق روکے کھڑے تھے۔ جب امیر المومنینؑ کھانے پر بیٹھے تو منافقوں نے دیوار گرانی چاہی تو مولا نے بائیں ہاتھ پر روک لی اور اس وقت تک روکے رہے جب تک کہ سب کھانے سے فارغ نہ ہو گئے پھر اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔

(مؤلف) کون احمق ایسا ہو سکتا ہے جو اس کو قول معصوم سمجھے گا۔ مدینہ میں اس زمانہ میں ۴۵ فٹ اونچی دیوار کا کسی کو تصور بھی نہ تھا۔ پھر ۶ فٹ موٹی ۹۰ فٹ لمبی ۴۵ فٹ اونچی

دیوار کو بنیاد پر سے خالی کرنا اور لکڑیوں پر اٹھائے رہنا منافقوں کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

(۶) ایک کہانی صفحہ ۲۵۴ سے ۲۵۹ تک پھیلی ہوئی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ جب یہ آیت ثم قست قلوبكم من بعد ذالك فهى كالحجارة او اشد قسوه ط نازل ہوئی تو یہودیوں کو بہت شاق گزرا بہت سے رئیس، زبان داں، مقرر جمع ہو کر حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ تم کو ہم پر کیا فضیلت ہے حضرت نے فرمایا جو معجزہ طلب کرو دکھا دوں وہ حضرت کو ایک پہاڑ کے قریب لے گئے اور پہاڑ کی گواہی مانگی تو پہاڑ نے آنحضرت کی صداقت اور یہود کی کذب بیانی کی شہادت دی (یہ شہادت بڑی لمبی ہے پورے ایک صفحہ پر پھیلی ہوئی ہے)۔ اس پر یہود نے کہا ہمیں دھوکا دیا گیا ہے۔ جب جانیں کہ اس پہاڑ کی اونچائی میں دو ٹکڑے ہو جائیں نیچے والا حصہ اوپر چلا جائے اور اوپر والا نیچے آ جائے حضورؐ نے پہاڑ کو حکم دیا تو دو ٹکڑے ہو کر اوپر والا نوکدار حصہ نیچے آ گیا اور نیچے والا میلوں لمبا چوڑا اس کے اوپر رکھا گیا۔ اس پر بھی یہود اپنی ہٹ دھرمی اور کفر پر اڑے رہے تو وہ پہاڑ سب کو نگل گیا۔

(مؤلف) افسوس ہے ان بے بصیرتوں پر جو یہ کہانیاں اہل بیتؑ سے منسوب کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا کسی نے مدینہ میں ایسا پہاڑ دیکھا۔ کہیں الف لیلہ کی کہانیوں میں بھی اس کا ذکر ہے؟

(۷) صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۴۔ اس کہانی کا لب لباب یہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب رسالت مآبؐ شہر مکہ میں چلے جا رہے تھے امیر المومنینؑ ساتھ تھے۔ ابولہب پیچھے سے پتھر مار رہا تھا۔ اس نے کچھ اوباش قریشیوں کو پیچھے لگا دیا۔ وہ سب پتھر پھینکنے لگے یہاں تک کہ آپؐ مکے سے باہر نکل گئے اور ایک پہاڑ کے قریب پہنچے۔ قدرت خدا کی پہاڑ کے پتھر خود بخود آنحضرتؐ کی طرف لڑھکنے لگے اور حضرت رسول خداؐ اور

جناب امیر المومنینؑ پر بزبان فصیح سلام کہنے لگے۔ یہ دیکھ کر قریش غمناک ہوئے ان میں سے دس مردودوں نے کہا یہ پتھر نہیں بول رہے بلکہ محمدؐ نے ان پتھروں کے پیچھے کسی گڑھے میں کچھ لوگوں کو چھپا رکھا ہے۔ وہ بول رہے ہیں تا کہ ہمیں فریب دیں ان کے اس قول پر ان پتھروں میں سے دس آگے بڑھے اور ان ملعونوں کا گھیرا باندھ لیا۔ پھر پتھروں نے اڑ اڑ کر ان کے سروں پر گرنا شروع کیا اور ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ خبر سن کر ان کے اہل وعیال روتے پیٹتے وہاں آئے اور کہنے لگے ہمیں ان کے مرنے کی نسبت اس کا زیادہ قلق ہے کہ یہ کرشمہ دکھا کر محمدؐ اس پر فخر کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان تابوتوں کو گویا کیا۔ کہ محمدؐ سچا ہے تم جھوٹے ہو۔ وہ تابوت لرزے میں آئے اور ان مُردوں کو زمین پر گرا دیا اور ان تابوتوں سے صدا پیدا ہوئی ہم اس واسطے نہیں ہیں کہ دشمنان خدا کو اٹھا کر عذاب خدا تک لے جائیں۔ یہ دیکھ کر ابوجہل ملعون بولا محمدؐ نے ان تابوتوں پر بھی جادو کر دیا ہے پھر ان کے ورثا سے کہا کہ تم محمدؐ سے کہو۔ اگر تو سچا ہے تو اپنے رب سے دعا کر کہ ان کو پھر زندہ کر دے حضرتؐ نے یہ سن کر جناب امیرؑ سے کہا آؤ ہم دُعا کریں۔ ان حضرات کی دعا سے سب زندہ ہو گئے۔ القصہ ان میں سے سات آدمی ایمان لے آئے۔ باقیوں پر شقاوت غالب آ گئی۔

(مؤلف) ان افترا پرداز ملعونوں کو اتنی تمیز بھی نہ تھی کہ کہانی میں تسلسل قائم رکھ سکیں۔ یہ تابوت کہاں سے آ گئے۔ ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ یہ کہانی سوائے کذب و افترائ کچھ نہیں۔

(۸) صفحہ ۳۳۵ سے ۳۳۷ جنگ تبوک کے لئے حضور سرورِ عالم کی روانگی امیر المومنینؑ کو مدینہ میں چھوڑنا۔ منافقین کی طعنہ زنی پر حضرت علیؑ کا مدینہ سے باہر جا کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہونا۔ رسول کریم کا فرمانا ''اے علی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی

نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے ہے''۔ اس کے بعد جب حضرت علیؑ مدینہ کو واپس ہوتے ہیں۔ تو کہانی اس طرح چلتی ہے۔

منافقوں نے تجویز کی کہ حضرت علیؑ کو راستہ ہی میں قتل کر دیں اور جس راہ سے حضرت علیؑ کو گزرنا تھا وہاں پچاس گز لمبا اور بہت گہرا گڑھا کھود کر چٹائیوں سے ڈھانک کر اس پر مٹی ڈال دی آنحضرتؐ جب قریب پہنچے تو گھوڑے کی گردن اتنی لمبی ہو گئی کہ اس نے منہ پھرا کر حضرت کے کان میں کہا کہ آگے گڑھا خس پوش ہے۔ مگر مولاؑ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور آنحضرتؑ باعجاز گھوڑے پر سوار اس پر سے گزر گئے۔

(مؤلف) کہانی گھڑنے والے احمقوں نے منافقوں کا یہ معجزہ دکھایا ہے کہ

(ا) انہوں نے اتنی دیر میں کہ حضرت علیؑ خدمت رسولؐ میں کچھ منٹ ٹھہرنے کے بعد واپس ہوں باعجاز پچاس گز لمبا اور بہت گہرا گڑھا کھود لیا۔

(ب) اسے چٹائیوں سے ڈھانک کر اس پر مٹی بھی ڈالی تو چٹائیاں منافقوں کے اعجاز سے تختوں کی مثل سخت ہو گئیں کہ ذرا بھی نہ جھکیں۔

(ج) پھر مٹی ڈالنے کے بعد اس کو کوٹنا بھی ضروری تھا۔ منافقوں نے باعجاز مٹی کوٹ کر راستہ ہموار کیا مگر چٹائیاں ذرا نہ جھکیں۔ ایسی چانڈو خانے کی گپوں کو کون احمق قول معصوم سمجھ سکتا ہے۔

(۹) صفحہ ۴۹۴ تا ۴۹۷ تک جنگ تبوک کے سفر میں حضرتؐ کا ایک مضحکہ خیز معجزہ درج ہے۔ جسے خبیث راویوں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کی زبانی امام زین العابدینؑ سے روایت کیا ہے۔ اس کہانی کا لب لباب یہ ہے۔ سفر تبوک میں جب لوگوں کو کئی دن گزر گئے تو کچھ لوگوں نے حضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ جو کھانے ہم ساتھ لے کر چلے تھے خراب

ہوگئے ہیں۔اب ان کونہیں کھاسکتے۔اب ہم تازہ اور خشک پرندوں کے گوشت کے کباب اور کچھ لوگ ترکاریاں ککڑی ساگ پات وغیرہ کھانے کی خواہش رکھتے ہیں۔حضرتؑ نے ایک پرندہ اڑتا دیکھا اور اصحاب سے فرمایا کہ اس پرندے سے کہو بحکم رسولؐ زمین پر گر پڑے۔ چنانچہ وہ گر پڑا۔حضرتؑ نے پرندے سے فرمایا تو خوب بڑا ہوجا اور اصحاب سے فرمایا تم اس کے گرد احاطہ کرلو۔وہ پرندہ اتنا بڑا ہوگیا کہ حضرت کے اصحاب نے جو دس ہزار تھے اس کے گرد صف باندھی اور اس کے گرد دائرے کی صورت میں ہوگئے۔پھر پرندے کو حضرتؑ نے حکم دیا اپنے بال و پر جدا کردے۔ہڈیاں پاؤں چونچ الگ کردے۔ایسا ہی ہوگیا اس نے ہر عضو، پر پرزے الگ کردیئے تو حضرتؑ نے ہڈیوں کو حکم دیا ککڑیاں بن جائیں اور پروں کو حکم دیا ساگ پات بن جائیں اور اصحاب کو حکم دیا اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور جس چیز کو جی چاہے اسی کا خیال کرکے اس پرندے میں سے توڑو وہی چیزیں بن جائیں گی ہر شخص لقمہ اٹھائے اور درود پڑھ کر منہ میں رکھے تو خشک گوشت کباب شوربا حلوہ وغیرہ جس چیز کو اس کا جی چاہے گا وہی منہ میں بن جائے گی۔خواہ دودھ چاہے پانی چاہے شربت جب سب سیر ہوگئے تو حضرتؑ نے پرندے کو حکم دیا کہ سکڑ جا، پر سمیٹ لے۔جیسا تھا ویسا ہی ہوجا۔تمام ککڑیاں ساگ ترکاریاں سمٹ کر پھر پرندہ بن گیا اور پھر سے ہوا میں اڑ گیا۔

(مؤلف) مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو اس طلسم ہوشربا جیسی کہانیوں کو تفسیر امام معصومؑ سمجھتے رہے۔

اب میں قارئین کی خدمت میں خلاف روایت روایوں کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) صفحہ ۹۴ پر ایک کہانی میں ہے کہ ایک موقعہ پر امیر المومنینؑ نے فرمایا "اس وقت شیطان نے میرے دل میں گزر کیا"

(مؤلف) حیرت ہے وہ کیسے شیعہ ہیں جو ایسی خرافات کو قول معصوم سمجھ لیتے ہیں۔

(۲) صفحہ ۱۹ امام علیہ السلام کی طرف منسوب کرکے افترٰی پردازی کی ہے "جب مسجد کے دروازے بند کرنے کا حکم نازل ہوا تو پہلے آنحضرتؐ نے معاذؓ بن جبل کی زبانی اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کو کہلا بھیجا کہ تم دروازہ بند کردو۔مگر جب انہوں نے دیکھا کہ علیؑ کا دروازہ بند نہیں ہوا تو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ علیؑ کس لئے مسجد میں آمدو رفت رکھتے ہیں تو آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا تم کو بھی چاہئے کہ اس کے حکم کو تسلیم کرو خدائے جلیل علیؑ کی ایسی صفات بیان کرتا ہے جو اس کے سوا بعض انبیاء میں بھی نہیں۔اے چچا تم اس کی نسبت کسی برائی کو دل میں راہ نہ دینا۔مبادا اپنے بھائی ابولہب کی طرح ہوجاؤ کیونکہ تم دونوں حقیقی بھائی ہو۔"

(مؤلف) اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ ارادۃً وضع کرکے امام سے منسوب کیا گیا ہے۔جناب رسالت مآبؐ کے چچا حضرت عباسؓ جنگ خندق تک مدینہ نہیں آئے تھے۔غالباً ۷ھ کے بعد تشریف لائے۔چونکہ مسجد کے اردگرد مکان مہاجرین اولین کے تھے اس کا امکان ہی نہیں ہوسکتا کہ حضرت عباس کا مکان مسجد کے پاس ہوتا۔نیز حضرت عباس ابولہب کے حقیقی بھائی بھی نہ تھے اور اس بات کو بنی عباس کے زمانے میں تو قریب قریب ہر فرد جانتا تھا۔

(۳) صفحہ ۴۸۲ سے ۴۹۵ تک مختار کے حالات درج ہیں۔ ناصبی راویوں نے تاریخی واقعات کو مسخ کرکے کہانی بنا دیا ہے۔راوی امام علیہ السلام کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے ہیں کہ حجاج ابن یوسف نے مختار کو کوفے میں قید کرلیا تھا۔ایک سپاہی کو اس کے قتل کا حکم دیا تو اس سپاہی کو بچھو نے کاٹا اور وہ مرگیا پھر دوسرے سپاہی کو حکم دیا اس نے جو تلوار چلائی

تو اس کے اپنے ہی پیٹ میں لگی وہ بھی مر گیا۔ تیسرے کو حکم دیا اس اثناء میں عبدالملک کا حکم پہنچا کہ مختار کو چھوڑ دو۔ لہٰذا مختار کو رہا کر دیا۔ پھر دوبارہ قید کر لیا اور جب قتل کا ارادہ کیا تو عبدالملک کا فرمان پھر آ گیا اور مختار رہا ہو گئے۔

(مؤلف) تاریخ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ مختار ۶۷ھ میں قتل ہو چکے تھے اور حجاج ابن یوسف ۷۵ھ میں حاکم کوفہ ہوا۔ مختار تو ابن زیاد کی قید میں تھے۔ اور عبداللہ ابن عمر کی سفارش سے یزید کے حکم پر رہا کئے گئے۔

اب اس کتاب میں سے چند مثالیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جہاں تفسیر اہل بیتؑ کو الٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) صفحہ ۱۸ تا ۲۴ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ کی تفسیر درج ہے جس میں سوائے قصے کہانیوں کے کوئی کام کی بات نہیں۔ اس میں مندرج ایک قصے کا لب لباب یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے بیٹھنے کا حکم دیا کرسی پر بیٹھے تو وہ الٹ گئی اور سر پھٹ گیا۔ تو حضرت نے زخم دھلایا اور پٹی باندھی۔ پھر فرمایا کہ تم بغیر بسم اللہ کہے بیٹھ گئے اس وجہ سے یہ تکلیف پہنچی۔ پھر دو بادشاہوں کی کہانی کئی صفحوں پر بھری پڑی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ کے متعلق جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ۔ حق تعالیٰ کے سب ناموں سے بزرگ تر ہے اور آخر میں الرحمٰن کے معنی بتائے کہ وہ ہم پر رحم کرتا ہے اور رزق فراخ کرتا ہے اور الرحیم جو دین و دنیا اور آخرت میں ہم پر رحم کرنے والا ہے۔

(مؤلف) امیرالمومنین علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے کہ ”جو کچھ تمام کائنات میں ہے وہ قرآن میں ہے۔ اور جو تمام قرآن میں ہے۔ وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو سورہ فاتحہ میں

ہے۔ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو ”ب“ میں ہے وہ اس نقطے میں ہے جو اس کے نیچے ہے اور ”ب“ کا نقطہ میں ہوں“۔

اس حدیث کو ائمہ علیہم السلام بیان کرتے آئے ہیں مگر راویوں نے اس کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا۔ نیز ائمہ علیہم السلام کی کتنی ہی احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ الف۔ لام۔ ہ یا ر۔ب کے حروف خالق کی ذات پر دلالت نہیں کرتے۔ وہ مسمیٰ کے حدود میں پیدا نہیں ہوا۔ جس کا نام ہو وہ مخلوق ہے۔ جتنے کلمات سے اسے پکارا جاتا ہے وہ تو صرف اس لئے ہیں کہ انسان بغیر کلمے کے توجہ نہیں کر سکتا۔

(۲) صفحہ ۵۷ تا ۶۱ پر الم۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ کی تفسیر لکھی ہے۔ (ترجمہ: یعنی وہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں) ہر جگہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ الم سے مراد قرآن ہے حالانکہ اگر قرآن مراد ہوتا تو ذالک (جو اشارہ بعید کا ہے) کی جگہ ہذا کا لفظ استعمال ہوتا۔ یعنی ”وہ کتاب“ کی بجائے ”یہ کتاب“ کہا جاتا۔

ائمہ علیہم السلام نے تو اظہار فرمادیا ہے کہ الم سے مراد آل محمدؐ ہیں یہی وہ خدا کی بولتی کتابیں ہیں جس میں کسی طرح کا ریب و شک نہیں۔ مگر راوی نے تفسیر کو الٹنے کی کوشش کی ہے۔

(۳) صفحہ ۵۴۷ سے ۵۵۱ پر و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (ترجمہ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان کو خوشنودی خدا کے طلب کرنے کے لئے بیچ ڈالتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے) کی تفسیر میں ائمہ علیہم السلام پر بہتان لگا کر یہ کہا گیا ہے کہ معصوم کا قول ہے ”کہ یہ رسول خداؐ کے نیک اصحاب ہیں جن کو ان کے دین کے لئے تکلیف میں ڈالا گیا، منجملہ ان کے بلالؓ، ظہیبؓ، خبابؓ، عمار یاسر اور اس کے ماں باپ ہیں“۔ اس کے بعد ان اصحاب میں سے ہر ایک کے متعلق قصے کہانیاں

نقل کی ہیں۔ حالانکہ اس آیت کی تفسیر میں آل رسولؐ نے بیان فرمایا ہے کہ شب ہجرت جب امیر المومنین علیہ السلام بستر رسولؐ پر سوئے تو آنحضرتؐ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ راویوں نے اس آیت کا رخ دیگر اصحاب کی طرف پھیر دیا ہے۔

اس تفسیر کو تنقیدی نظر سے دیکھنے پر ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس کے مصنفین ناصبی اور دشمنان اہل بیتؑ ہیں۔ ایسے ناصبیوں اور دشمنوں کی خبر حضرت صادق علیہ السلام نے پہلے ہی دے دی تھی۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث علماء کے متعلق منقول ہے جس کا ایک جزو یہ ہے۔

''اور ان میں ناصبی علماء ہیں۔ جو ہماری قدح کرنے پر قادر نہیں اور ہم سے علوم صحیحہ حاصل کر کے ہمارے دشمنوں سے ان ہی علوم کے ذریعے ہماری منقصت کرتے ہیں، بلکہ ہماری حدیثوں میں ایسی جھوٹی باتوں کا دہ چند بلکہ صد چند اضافہ کر دیتے ہیں جن سے ہم بری ہیں۔ اور ان کو ہمارے شیعہ یہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے علوم ہیں''۔

الغرض یہ کتاب اسی قسم کے خلاف عقل وفطرت، خلاف درایت اور خلاف تعلیم اہل بیتؑ کے قصے کہانیوں سے لبریز ہے۔ میں نے ہر قسم میں سے صرف چند تمثیلیں نقل کی ہیں۔ قارئین خود کتاب کے مطالعہ سے دیکھ سکتے ہیں کہ تقریباً تین چوتھائی حصہ ایسی ہی خرافات سے بھرا ہوا ہے جو باعث توہین اہل بیتؑ ہیں۔

کتاب کے حصہ اوّل کو اس استدعا پر ختم کرتا ہوں کہ اب ضرورت زمانہ مجبور کر رہی ہے کہ ہم تعلیم اہل بیتؑ کی طرف رجوع کریں۔ اندھی تقلید سے نکلیں اور تعلیم اہل بیتؑ کو خود تلاش کریں۔ متشابہات کو ترک کریں محکم اور مبنی برحقیقت احادیث تلاش کریں۔ اب اس

امر کی اشد ضرورت ہے کہ تعلیم یافتہ شیعہ حضرات اور سب صاحبان عقل ان اکاذیب کے خلاف جو تذلیل وتوہین اہل بیتؑ پر دال ہیں۔ صدائے احتجاج بلند کر کے استغاثہ حسینی پر لبیک کہنے والوں میں شامل ہوجائیں۔

ꙮ ꙮ ꙮ ꙮ ꙮ

هلْ مِنْ نَاصِرِ یَنْصُرُنا

حصہ دوم

بسم الله الرحمن الرحیم ؕ

اس حصہ میں علماء سلف کا عقائد میں باہم اختلاف۔ حقائق سے انکار اور بعض علماء متاخرین کی چند ایسی تلبیسات پیش کی جاتی ہیں جو عوام شیعہ کو علمائے سلف سے بے انتہا مرعوب کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ ایسے اختلافات و روایات جب تعلیم یافتہ نوجوانوں کے سامنے آتے ہیں تو وہ مذہب سے بیزار ہو جاتے ہیں اور احترام اہل بیتؑ ان کے دل میں کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان اختلافات و روایات کا اظہار اور ان کے خلاف احتجاج کرنے کا مقصد تعلیم یافتہ نوجوانوں کو حقائق کی طرف توجہ دلا کر گمراہی سے بچانا ہے۔

اختلاف عقائد اور حقائق سے انکار کی چند تمثیلیں اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ ۶۱۔۶۲۔

''شیخ ابوجعفر فرماتے ہیں لوح وقلم کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہیں'' (اب حاشیہ شیخ مفید ملاحظہ ہو) شیخ مفید فرماتے ہیں ''لوح وقلم کو دو فرشتے سمجھنا عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لوح ایک کتاب ہے جس میں خدا نے اپنی قدرت سے قیامت تک ہونے والی باتیں درج فرمائی ہیں نیز قرآن میں

ہے۔ لقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (ہم نے اپنی قدرت سے ذکر کے بعد زبور میں لکھ دیا ہے کہ میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے) اس آیت میں ذکر سے مراد لوح ہے اور قلم اس چیز کا نام ہے جس کے ذریعے حوادثات زمانہ اور واقعات عالم درج کئے گئے ہیں۔ جس وقت خداوند عالم کو اپنے کسی راز پر اطلاع دینی مقصود ہوتی ہے یا نبیوں کے پاس وحی بھیجنی مقصود ہوتی ہے تو اس وقت فرشتوں کو حکم ہوتا تھا کہ لوح کو پڑھو۔

(مؤلف) حیرت ہے کہ شیخ مفید جیسا عالم (شیخ ابوجعفر سے لوح وقلم کے عقیدہ سے اختلاف فرماتے ہوئے)۔ ذکر کے معنی لوح بتلائے حالانکہ یہ تو قرآن کے خلاف ہے۔ سورۂ طلاق میں خود قرآن نے ذکر کے معنی بتلا دیئے۔ "قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلو علیکم آیات اللہ"

(اللہ نے تمہاری طرف نازل کر دیا ذکر رسولؐ تلاوت کرتا ہے تم پر اللہ کی آیات) اس آیت سے واضح ہے کہ رسولؐ ذکر کا بدل ہے۔ یعنی رسولؐ ہی ذکر ہے۔ اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جائے تو قرآن تو آیات پڑھ کر نہیں سناتا۔ اس کے سوائے بکثرت احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام کی موجود ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل الذکر سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ ذکر رسولؐ ہیں اور اہل الذکر ان کے اہل بیتؑ۔ تعجب ہے کہ حضرت علامہ شیخ مفید کی نظر قرآن پاک کی اس آیت پر نہ گئی نہ ہی ان احادیث پر جن میں حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ ذکر سے مراد رسولؐ ہیں اور اہل الذکر ہم ہیں اب ناظرین "لقد کتبنا فی الذبور......" والی آیت کا مفہوم ملاحظہ فرمائیں۔ آیت میں یہ بیان ہے کہ ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ ذکر کے بعد یعنی رسول آخر الزماںؐ کے بعد زمین کے وارث ہمارے بندگان

صالح یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہوں گے۔ مگر شیخ صاحب نے اس آیت کا مطلب اپنے قیاس سے کچھ کا کچھ بنا ڈالا۔

مولوی فرمان علی صاحب (جن کے ترجمہ قرآن میں بیشتر آیات فضائل اپنی آب و تاب کھو بیٹھتی ہیں) نے بھی ان ہر دو آیات میں بیشتر ذکر کے معنی نصیحت اور قرآن ہی لئے ہیں۔ چنانچہ کتبنا فی الزبور والی آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔

''اور ہم نے تو نصیحت کے بعد یقیناً زبور میں لکھ دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے'' اور اس آیت کے حاشیے پر لکھتے ہیں۔ (پ۔۱۷۔ع۔۷)

''یعنی زبور میں یہ خوشخبری مندرج ہے کہ جو لوگ خدا کی عبادت کریں نیک کردار بنیں۔ وہ سمجھیں کہ نیک کرداری کا صلہ نہ صرف آخرت پر موقوف ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی خدا ایسے بندوں کو حکومت و سلطنت عطا کرتا ہے۔ لیکن بظاہر یہ حکم اسی وقت کے واسطے مخصوص تھا''۔

اسی طرح مولوی فرمان علی صاحب قدانزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً کا ترجمہ لکھتے ہیں ''خدا نے تمہارے پاس اپنی یاد (قرآن) اور رسول بھیج دیا'' قرآن میں ذکر پر وقف نہیں۔ مگر مولوی صاحب نے اپنی طرف سے لفظ ''اور'' بڑھا کر ذکر کو رسولؐ سے جدا کر دیا نتیجتاً شیعہ حضرات فرمودات اہل بیتؑ سے کما حقہ مستفید نہ ہو سکے۔

اب لوح وقلم کی حقیقت کی طرف قارئین کو توجہ دلاتا ہوں جناب رب العزت تو فرماتا ہے کبر علی المشرکین ماتدعوا ھم الیہ (سورہ شوریٰ ع۔۲.........)

ترجمہ:۔ (وہ یعنی حق بہت گراں ہے مشرکوں پر جس طرح تم ان کو بلاتے ہو) کیونکہ بعض لوگ فرمان ایزدی انہم اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ کے (لاشعوری طور پر ہی سہی) مصداق بن جاتے ہیں اور یہ بات ان پر صادق آتی ہے کہ انہوں نے

اپنے احبار کو خدا کے سوائے رب گردانا ہے۔ یعنی ان کے قول ہی کو حق جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے لئے وہ اقوال اہل بیتؑ جو ان کے علماء کے خلاف ہوں گے گراں گزریں گے۔ مشکل یہ ہے کہ جو علماء سلف تدوین کتب کی طرف متوجہ ہوئے ان میں سے اکثر صاحب معرفت نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے متشابہ آیات اور متشابہ احادیث کو محکم جان کر اور احادیث مبنی بر تقیہ کو حقیقت سمجھ کر مادی تمثیلوں سے اپنے تخیل کے مطابق مادی قلعے اور عمارتیں بنا ڈالیں اور ان قیاسی عمارتوں پر عقائد کی بنیادیں قائم کر کے بحثیں شروع کر دیں اور وساوس و شبہات کو رفع کرنے کے لئے مضامین اور توضیحات لکھتے لکھتے کتب خانے بھر ڈالے۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے خلوص سے مذہب کی خدمت کرنے میں عمریں گزار دیں۔ لہٰذا ان کا اجر اللہ پر ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو معصوم سمجھ لیں، ان کے اقوال کو خدا کا قول جان لیں اور جب سامنے خدا اور رسولؐ اور آل رسولؐ کے ایسے فرمودات آئیں جو علماء کے عقائد کے خلاف ہوں تو ان کو رد کر دیں۔ اور ان کے مقابل اقوال و عقائد علماء ہی کو صحیح سمجھتے رہیں۔ اسی کو خدا اور رسولؐ نے شرک سے تعبیر کیا ہے۔ دشواری یہ ہے کہ حقائق کا علم کتابیں پڑھنے اور کتب خانے حفظ کر لینے سے حاصل نہیں ہوتا وہ تو ائمہ علیہم السلام کے ان احکام پر عمل کرنے سے منکشف ہوتا ہے جو ان حضرات نے حصول معرفت کے لئے تعلیم فرمائے ہیں۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ طاہرین نے حقائق بھی بیان فرما دیئے ہیں مگر وہ حقائق ظاہر پرستوں کو نظر نہیں آتے اس لئے کہ ان کی آنکھوں پر عقائد قیاسی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوّل مخلوق کے متعلق واضح طور پر ظاہر فرما دیا ہے۔ اس کے لئے متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔

(۱) اول ماخلق اللہ نوری (سب سے پہلے جس چیز کو خدا نے پیدا کیا وہ میرا نور ہے)

(۲) اول ماخلق الله لوح (سب سے پہل جس چیز کوخدا نے پیدا کیا وہ لوح ہے)

(۳) اول ماخلق الله قلم (سب سے پہلے جس چیز کوخدا نے پیدا کیا وہ قلم ہے)

(۴) اول ماخلق الله الروح (سب سے پہلے جس چیز کوخدا نے پیدا کیا وہ روح ہے)

(۵) اول ماخلق الله العقل (سب سے پہلے جس چیز کوخدا نے پیدا کیا وہ عقل ہے)

(۶) اول ماخلق الله العلم (سب سے پہلے جس چیز کوخدا نے پیدا کیا وہ علم ہے)

قشری علماء سے جب ان احادیث کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو خدا نے پیدا کیا ہے وہ نور محمدیؐ ہے اس کے بعد سب سے پہلے جس کو خلق کیا وہ لوح ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلے جس کو خلق کیا وہ قلم ہے۔ اسی طرح ہر ایک کے بعد جو پہلے خلق کیا گیا وہ اس سے اگلی چیز ہے۔ اس شرح کا احادیث کے الفاظ سے اختلاف واضح ہے۔ حالانکہ وہ نوری مجسمہ جو سب سے پہلے خلق ہوا نور محمدیؐ ہے۔ وہی لوح ہے وہی قلم ہے۔ وہی روح اعظم یا مہا آتما ہے وہی عقل اوّل ہے۔ اور وہی علم حقیقی ہے۔ وہی انائے مطلق اور اس کائنات کی علت وجود و بقا اور اس کی ''میں'' ہے۔ احادیث ائمہ معصومین علیہم السلام میں یہ بیان موجود ہے۔ دیکھئے ''حیات القلوب جلد سوم'' اس میں متعدد احادیث میں ہے "ام الکتاب اور لوح محفوظ" سے مراد امیر المومنینؑ ہیں اور خود امیر المومنین علیہ السلام نے خطبہ البیان میں ظاہر فرما دیا ہے کہ ''میں لوح محفوظ'' ہوں۔ اس خطبہ کے اکثر فقرے علامہ کشفی نے اپنی کتاب فضائل مرتضوی میں نقل کئے ہیں جس کا ترجمہ کتاب موسوم بہ ''کوکب دری فی فضائل علی'' میں موجود ہیں۔ اس ترجمہ میں بہت سی جگہ "انا الذی" (میں وہ ہوں) کا ترجمہ ''میں وہ شخص ہوں'' کیا گیا ہے۔ جو غلط ہے۔

علامہ محمد حسین صاحب نے اپنی کتاب ''احسن الفوائد فی شرح عقائد شیخ صدوق''

میں صفحہ ۴۳۵ پر اس خطبے کے کچھ فقرے نقل کئے ہیں۔ مثلاً ''میں ہوں چشمے جاری کرنیوالا''۔ ''میں ہوں درختوں میں پتے لگانے والا''۔ ''میں ہوں زمینوں کا بچھانے والا''۔ ''میں ہوں آسمانوں کو بلند کرنے والا''۔ ''میں ہوں سورج کو روشن کرنے والا۔ صبح کو نکالنے والا۔ ستاروں کو پیدا کرنے والا''۔ ''میں ہوں رحموں میں صورتیں بنانے والا'' ''میں ہوں رزق دینے والا'' ''میں ہی سمیع و علیم و بصیر ہوں''۔ ''میں وہ ہوں جس نے نوح کو کشتی میں اٹھایا''۔ ''میں وہ ہوں جس نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی'' یہ نقل کرنے کے بعد حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ حضرت کا کلام نہیں ہے۔ یہ تو غالیوں کا وضع کردہ اور بالکل بے اصل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ظاہر پرست حضرات اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس خطبہ میں اور بھی بہت سے فقرے ہیں مثلاً ''میں نے موسیٰؑ سے کلام کیا۔ میں نے فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کیا۔ میں نے موسیٰؑ اور اس کی قوم کو پار اتارا۔ خلقت کا حساب میرے سامنے پیش ہوگا۔ میں احکم الحاکمین ہوں۔ میں آدمؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں میں ابراہیمؑ ہوں میں موسیٰؑ ہوں۔ میں عیسیٰؑ ہوں میں محمد مصطفیٰؐ ہوں میں علی ابن ابی طالبؑ کی آواز ہوں میدان جنگ میں''

اب میں قارئین کو پہلے ایک آیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس کے بعد خطبے کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

ولقد ذرانا لجهنم............ تا آخر (سورہ اعراف ع۔۱۷۹)

ترجمہ:۔ البتہ ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے کان ہیں ان سے سنتے نہیں...... تا آخر۔

پس جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی اس کو تو صاف نظر آجائے گا کہ یہ

''میں'' سے مراد جسم علی ابن ابی طالبؑ نہیں ہے اور جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا وہ سمجھ لے گا کہ ''میں'' سے مراد ''انائے مطلق'' ہے۔ یہ تو لسان اللہ بول رہا ہے مگر جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل نہ ہوں وہ تو فضائل آل رسولؐ نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اتنا تو ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ زبان ذات کی ترجمان ہے۔ جب زبان یہ کہتی ہے ''میں نے یہ کیا''۔ ''میں نے یہ کتاب تصنیف کی'' تو کوئی شخص اپنی زبان سے خطاب کر کے یہ نہیں کہتا کہ اے گوشت کے لوتھڑے تو نے کیا کیا؟ تو تو دانتوں کے اندر منہ میں بیٹھی رہتی ہے تجھ سے کیا ہوسکتا ہے۔ کیوں غلط دعوے کرتی ہے۔ مگر جب "لسان الله" "نفس الله" کہے کہ میں احکم الحاکمین ہوں تو اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔ درخت سے آواز آئے ''میں خدائے واحد ہوں'' تو قبول۔ مگر "لسان الله" "وجه الله" "نفس الله جب کہے ''میں نے آسمانوں کو بلند کیا'' تو حق سے انکار۔ کیا ان کے نزدیک درخت کی منزلت نفس الله۔ عین الله۔ لسان الله سے اعلیٰ وارفع ہے؟

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ مولاؑ کی زیارت میں جو قریب قریب ہر تحفۃ العوام میں جو ۱۹۴۰ء سے پہلے شائع شدہ ہیں۔ یہ فقرے موجود ہیں۔ ''سلام ہو میزان اعمال پر۔ اور مقلب لاحوال پر سلام ہو صالح المومنین پر۔ اور وارث علم نبیین پر اور حاکم یوم الدین پر۔ سلام ہو تقویٰ کے شجر پر اور پوشیدہ رازوں اور مشوروں کو سننے والے پر اور من وسلویٰ نازل کرنے والے پر''۔

ایسے اور بھی کتنے ہی فقرے اس زیارت میں شامل ہیں۔

خطبۃ البیان سے انکار کرنے والوں سے پوچھنا چاہئے کہ جب آپ یہ زیارت پڑھتے ہیں تو کیا مشرک ہو جاتے ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ جو زیارت کے یہ فقرے اس نیت سے پڑھے کہ یہ علی ابن ابی طالبؑ کے اوصاف بیان کر رہا ہوں وہ بے شک غلطی پر ہے یہ سلام

تو اس نور پر ہے جو علی ابن ابی طالبؑ کے اندر بولتا ہے۔ کسی امام کا جسم ولی نہیں ہے۔ ولی اللہ تو وہ نور خدا ہے جو ان اجسام میں عامل ہے۔ اس کا ثبوت امام محمد باقرؑ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ملاحظہ ہو۔

''خدا نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپایا ہے۔

اپنی رضا کو اطاعت میں۔ اپنے غضب کو نافرمانی میں

اور اپنے اولیاء کو ان کے اجسام میں'' (دینی کہانیاں)

اب جس کے پاس سمجھنے والا دل ہوگا وہ سمجھے گا کہ امام کا جسم ولی اللہ نہیں۔ بلکہ وہ روح اعظم، انائے مطلق۔ اوّل مخلوق۔ نور کائنات کی شعاعیں جو ان اجسام میں عامل ہیں۔ اور ان میں بولتی ہیں۔ وہی تو ولی اللہ ہیں۔ خدا کا کلام ہو یا اس کے اولیاء کا اس کو تو وہی سمجھ سکتا ہے جو راہ معرفت پر گامزن ہو اور ان احکام پر عمل کرے جو ائمہ علیہم السلام نے حصول معرفت کے لئے تعلیم فرمائے ہیں۔ جو شخص راہ معرفت پر قدم ہی نہ رکھے اور متشابہ آیات۔ متشابہ احادیث اور احادیث مبنی بر تقیہ اور موضوعہ روایات میں پھنسا ہوا قیاسی بحثوں میں مبتلا رہتے ہوئے عمر گزارے وہ تو غالبؔ اور اقبالؔ کا کلام بھی نہیں سمجھ سکتا۔ چہ جائے کہ خدا اور اس کے اولیاء کا کلام وہ تو نور ہے جس کا ادراک کشف سے ہی ہوسکتا ہے۔ الفاظ رٹ لینے والے ان کے مفاہیم تو نہیں سمجھ سکتے۔

جو خطبۃ البیان سے انکار کرتے ہیں وہ سورۂ نمل کی مندرجہ ذیل آیت دیکھ لیں اور اگر جرأت ہے تو خدا کے فرمان سے بھی منکر ہو جائیں۔

فلما جاء ھانو دی ان بورك من فی النار ومن ھولھا

ترجمہ: مولوی رفیع الدین:۔ پس جب آیا (موسیٰؑ) اس کے پاس پکارا گیا یہ کہ

برکت دیا گیا ہے جو کوئی بیچ آگ کے ہے اور جو کوئی اس کے گرد ہے۔

ترجمہ مقبول:۔ جب حضرت موسیٰؑ اس کے پاس پہنچے تو ان کو آواز دی گئی جو اس آگ میں ہے اور اس کے گردو وہ سب برکت دیئے گئے ہیں۔

ترجمہ: فرمان علی:۔ پس جب موسیٰؑ اس آگ کے پاس آئے تو ان کو آواز آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور اس کے گرد ہے۔

اس آیت کی تفسیر کے متعلق ایک بہت مشہور واقعہ ہے کہ متوکل عباسی نے امیرالمومنینؑ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت آگ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ صبح کو علماء کو بلایا اور کہا میں نے ایک شخص کو آگ میں بیٹھا ہوا دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتاؤ۔ ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا کہ:۔

امیرالمومنین (متوکل) نے کسی نبی یا ولی کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ سنتے ہی متوکل نے کہا یہ تو نے کس دلیل سے تعبیر کی ہے۔ اگر تو مضبوط دلیل پیش نہ کر سکا تو تجھ کو ابھی قتل کرادوں گا۔

اس نے مذکورہ بالا سورۂ نمل کی آیت تلاوت کی یہ سن کر متوکل بہت جھنجھلایا مگر اس کو خاموش ہونا پڑا۔

اب یہ بھی دیکھتے چلیں کہ وہ برکت دیا گیا آگ میں تھا اس نے حضرت موسیٰؑ سے کیا کہا۔ تو سورۂ نمل میں ہے "یموسیٰ انہ انا اللہ العزیز الحکیم" (آیت ۹) سورہ قصص میں ہے "یا موسیٰ انی انا اللہ رب العالمین" سورہ طٰہٰ میں ہے "یاموسیٰ انی انا ربك" اب اس کو ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ لسان اللہ کے سوائے کسی کا کلام نہیں ہوسکتا۔

(تمثیل نمبر۲)۔ اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ ۶۶۔۶۷ ''نفس و روح کے متعلق اعتقاد''۔ شیخ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''نفس کی بابت ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نفس وہ روح ہے جس پر زندگی کا دارومدار ہے...... یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ باقی رکھنے کے لئے نفس پیدا کیا گیا ہے۔ فنا ہونے کے واسطے مخلوق نہیں ہوا جیسا کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ ''تم لوگ فنا ہونے کے لئے نہیں پیدا ہوئے بلکہ بقا کے لئے تمہاری خلقت ہوئی ہے۔ البتہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاؤ گے''۔

حاشیہ شیخ مفید ص۔۶۷ ''یہ حدیث حدیث احاد ہے۔ ثابت نہیں ہوا کہ حضور سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی ہو۔ پس یہ عقیدہ رکھنا کہ روحیں فنا نہیں ہوتیں باطل ہے۔ اس لئے کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کل من علیھا فان و یبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال و الاکرام یعنی زمین پر جتنی چیزیں ہیں سب فنا ہونے والی ہیں۔ اور تمہارے رب کی ذات ہی جو صاحب عظمت و بزرگی ہے باقی رہے گی۔ بناء بریں نفس بھی فنا ہوگا۔ اور بقاء نفس کا قائل ہونا تو اواگون والوں کا اور فلاسفہ یونان کا مذہب ہے''۔

(مؤلف) بڑی حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ مفید جیسا عالم (شیخ صدوق سے اختلاف کرتے ہوئے) کلام اللہ کے خلاف بیان کرے۔

آیت متذکرہ بالا میں تو اشیائے مادی اور اجسام مادی کی فنا کا بیان ہے۔ نفوس کی بقا پر تو کلام اللہ کی بے شمار آیات شاہد ہیں۔ جنت کے ذکر میں ہے فیھا تشتھی الانفس و تلذالاعین وانتم فیھا خلدون (اس میں ہر وہ شے موجود ہوگی جو نفوس چاہیں گے اور جن سے آنکھوں کو لذت ہو اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔ اور اہل جہنم کے لئے بھی ہے۔

ھم فیھا خلدون (اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔ ایسی آیات سے تو قرآن مملو ہے۔
اب جو حضرت شیخ مفید کے ماننے والے ہیں کیا وہ یقین کریں گے کہ عذاب وثواب جنت دوزخ کچھ نہیں ہے جب نفوس وارواح فنا ہو جائیں گے تو جنت ودوزخ۔ ثواب وعذاب کس کے لئے ہوگا۔

البتہ خدائے قدوس کی پرستش کرنے والے سمجھ لیں گے کہ شیخ مفید بے خیالی میں ایسا لکھ گئے ہوں گے۔ وہ معصوم اور محفوظ عن الخطا تو ہیں نہیں ان سے اجتہادی غلطی تو ہوسکتی ہے۔

(تمثیل نمبر۳) اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ ۱۳۷۔ لیلۃ القدر میں قرآن نازل ہونے کے متعلق اعتقاد:۔ ''شیخ ابوجعفر نے فرمایا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ماہ رمضان کی شب قدر میں قرآن بیت المعمور میں نازل ہوا۔ پھر بیت المعمور سے بیس سال کی مدت میں حضور سرور کائنات کے پاس آیا۔

(حاشیہ نمبر۱۔ص۔۱۴۷) ابن عباس سے منقول ہے کہ بیت المعمور چوتھے آسمان پر خانہ کعبہ کے محاذ میں واقع ہے (تا آخر) حاشیہ نمبر۲ میں شیخ مفید شیخ ابوجعفر سے عقیدہ میں اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس عقیدہ کا ماخذ صرف ایک ہی حدیث ہے جس سے اس عقیدے کا یقین نہیں ہوسکتا اور بعض آیتوں کا جدید حوادث کے متعلق نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پورا قرآن بیت المعمور پر نازل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ضرورت کے وقت ایجاد ہوتا تھا چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ قد سمع اللہ قول التی تجادلك فی زوجھا و تشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما (یعنی جو عورت شوہر کے بارے میں تمہارے سامنے جھگڑا کرتی ہے اور خدا سے اس کا شکوہ کرتی ہے خدا نے اس کا قول سن لیا اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا ہے) الغرض یہ آیت مدینہ میں اتری تھی پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ جو واقعہ نہیں ہوا تھا۔ اس کو

پہلے سے بیت المعمور میں خدا نے کیونکر نازل کردیا تھا''۔

(مؤلف) شیخ مفید کے اس بیان پر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ ایک شبہ وارد ہونے سے نفوس وارواح کی بقا سے ہی انکار کردیا۔ جیسا کہ تمثیل نمبر۲ میں قارئین ملاحظہ کرچکے ہیں اسی طرح یہاں بھی ایک شبہ کی بناء پر بیت المعمور پر نزول قرآن سے انکار کردیا۔ حالانکہ قلم کے بیان میں خود ہی فرماچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روز اوّل قلم کو حکم دیا تھا کہ قیامت تک ہونے والے واقعات وحالات لوح محفوظ پر لکھ دے اور قلم نے لوح محفوظ پر سب کچھ لکھ دیا۔ تو کیا نزول قرآن کے حالات اور تمام قرآن مع کیفیت نزول لوح محفوظ پر نہیں لکھا گیا تھا؟ کیا یہ قیامت تک کے ہونے والے واقعات میں شامل نہیں؟ کیا تمام واقعات جو قیامت تک ہونے والے تھے قبل وقوع لکھے ہوئے موجود نہ تھے؟ پس جب لوح محفوظ میں تمام قرآن مع کیفیات نزول موجود تھا اور تمام ہونے والے واقعات درج تھے تو وہاں سے تمام قرآن بیت المعمور پر نازل ہوجانے پر کیا تعجب ہوسکتا ہے۔

چوتھے آسمان پر بیت المعمور پر نزول قرآن کی توضیح وتشریح کتاب ''اہل البیتؑ'' حصہ سوئم میں درج کی جاچکی ہے۔ شائقین کو کچھ اشارات وکنایات ''الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۶۵ پر بھی ملیں گے۔

اب قارئین کے ملاحظہ کے لئے علماء سلف کے پروپیگنڈے کے لئے خلف کی تلبیسات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب ''گوہر یگانہ'' صفحہ ۲۶ پر احتجاج طبرسی سے نقل کیا گیا ہے۔

''امام حسن عسکری علیہ السلام نے نامہ لکھا علی ابن بابویہ کو اور بعد حمد وصلوٰۃ تحریر فرمایا۔ اوصیك یا شیخی و معتمدی و فقیھی اباالحسن علی ابن الحسین

القمی...... تا آخر"

(مؤلف) لفظ ''شیخ'' سردار، استاد، بزرگ یا پیشوا کے لئے بولا جاتا ہے۔ صاحبان عقل غور کریں کہ حضرت علامہ ابن بابویہ قمی کی یہ منزلت ہو کہ امامؑ ان کو ''اے میرے سردار'' یا ''اے میرے پیشوا'' یا ''اے میرے استاد'' وغیرہ کے القاب سے یاد فرمائیں۔ ایسے شخص کو تو یقیناً مرتبہ نبوت یا رسالت پر فائز ہونا چاہیے۔ کیا کوئی شیعہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اس خط کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے والوں کو مفتری نہ سمجھے اور علامہ ابن بابویہ قمی کو امام کا پیشوا بزرگ یا استاد سمجھ لینے کے لئے تیار ہو؟

(۲) کتاب ''دینی کہانیاں'' حصہ دوم امام مہدیؑ کی کہانی صفحہ ۲۲ پر توقیعات امام علیہ السلام غیبت صغریٰ میں حضرت حجتہ علیہ السلام نے جو خطوط علماء وصلحا کے نام لکھے تھے ان میں سے چند کو نقل کیا گیا ہے جناب شیخ مفید کے نام خط ملاحظہ ہو۔

''نیک برادر، لائق دوست، شیخ مفید ابوعبداللہ محمد ابن نعمان خدا ان کا اعزاز ہمیشہ قائم رکھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اما بعد، میرا سلام ہو اس دوست پر جو دینی معاملات میں خلوص رکھتے ہیں اور ہماری بات پر یقین کامل حاصل ہے ہم اس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود بھیجتے ہیں اپنے سید و مولا اور اپنے نبی محمد مصطفیؐ اور ان کی پاک اولاد پر خدا تم کو اور تمہاری توفیقات کو ہمیشہ قائم رکھے۔ نصرت حق کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ تم نے ہمارے بارے میں صدق بیانی سے کام لیا ہے۔ خدا اس کا اجر وثواب دینے والا ہے۔ تم نے ہم سے خط وکتابت کو جاری رکھا اور ہمارے دوستوں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے اعزاز عطا فرمایا۔ ان کی مشکلات کو دور کیا۔ پس خدا تمہیں دشمنوں کے مقابل کامیاب بنائے...... تا آخر (بقدر ضرورت نقل کیا)

(مؤلف) کوئی صاحب عقل ایسا نہیں ہوسکتا جو اس جعلی خط کو حضرت حجت علیہ السلام کا خط سمجھے۔ غیبت کبریٰ ۳۲۹ ہجری میں ہوئی جس کے بعد توقیعات منقطع ہوگئیں۔ اور حضرت علامہ شیخ مفید غیبت کبریٰ کے سات سال بعد یعنی ۳۳۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تاہم اس تلبیس کے مطابق حضرت شیخ مفید نے اپنی پیدائش سے بیسیوں سال قبل عالم ارواح میں حضرت حجت علیہ السلام سے خط وکتابت جاری رکھی ہوگی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آیا یہ تحریریں شیخ مفید کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس وجہ سے تو وضع نہیں ہوئی ہیں کہ علامہ شیخ مفید متکلمین کے مروجہ عقائد کے بانی ہیں۔

دینی کہانیوں کے مصنف نے اس خط کو غیبت صغریٰ کے زمانے کا بیان کیا ہے۔ مگر مصنف کتاب ''ملاقات امام'' شائع شدہ افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور کتاب کے صفحہ ۲۰۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ زمانہ غیبت کبریٰ میں کسی ذریعے سے امام حجتؑ کے دو فرمان عالی شان شیخ مفید کے نام صادر ہوئے جو احتجاج طبرسی میں نقل ہیں۔ ان میں سے ایک ماہ صفر ۴۱۰ ہجری میں پہنچا اور دوسرا ذی الحجہ ۴۱۲ کو آیا۔ صاحبان فہم غور فرمائیں کہ اگر غیبت کبریٰ کے زمانہ میں امامؑ خط لکھ سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی تو عالم غیب سے خط لکھ سکتے ہیں۔

ان خطوط کے مصنف کو چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ سے خط لکھواتے تاکہ شیخ مفید کی عظمت میں کسی کو شک کی گنجائش نہ رہتی۔ ایک امر یہ بھی ہے کہ اگر شیخ مفید علیہ رحمہ کو امام عصر علیہ السلام کے خطوط ملے ہوتے تو وہ خود اپنی تصانیف میں فخریہ ان کا تذکرہ کرتے اور وہ خطوط بطور تبرک محفوظ رکھے جاتے اور بعد کے آنے والے شیعوں کو ان کی زیارت کرائی جاتی۔

(۳) ''گوہر یگانہ'' صفحہ ۲۹ پر شیخ مفید علیہ رحمہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ''آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر حسب ذیل مرثیہ خود بخود لکھا ہوا پایا گیا۔ جس کے متعلق علماء

نے فرمایا ہے کہ یہ خود صاحب الزمانؑ نے فرمایا ہے۔

لاصوت الناحی بفقدك انه۔ یوم علیٰ آل الرسول عظیم
ان کنت قدغبت فی حدث الثریٰ۔ فالعدل و التوحید
فیك مقیم و القائم المهدی یفرج کلما۔ تلیت علیك
فی الدروس علوم۔

ترجمہ:۔ میں تیرے فقدان پر باآواز بلند فریاد کرتا ہوں یقیناً یہ دن آل رسولؐ پر عظیم ہے۔ گوکہ تم تحت الثریٰ غائب ہوگئے، تاہم عدل وتوحید تمہارے ہی ساتھ مقیم ہیں۔ اور قائم المہدیؑ کھولیں گے تمام اسباق وعلوم کے عقدوں کو تم پر۔

(مؤلف) صاحبان دانش غور فرماویں۔ کہ آیا غیبت کبریٰ میں حضرت حجت علیہ السلام کا کسی کی وفات پر مرثیہ لکھنا قرین عقل ہے، حضرت شیخ محمد یعقوب کلینیؒ جامع اصول کافی کی وفات پر امام زمانہ علیہ السلام نے مرثیہ نہ لکھا۔ اپنے نوابین اربعہ بالخصوص حسین ابن روح کی وفات پر حضرت نے مرثیہ نہ لکھا۔ علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی وفات پر مرثیہ نہ لکھا اور نہ سید رضی علیہ رحمہ کی وفات پر، پھر جب حضرت نے اپنے والد ماجد کی شہادت پر بھی مرثیہ نہ لکھا تو کیا شیخ مفید کی منزلت امام سے بھی زیادہ ہے۔

کوائف پر غور کرنے سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ یہ سب پروپیگنڈہ شیخ مفید اور ان کے شاگرد حضرت علامہ سید مرتضیٰ کا کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے چھوٹے بھائی سید رضی بھی شیخ مفید کے شاگرد ہیں۔ اور بڑے بھائی کے ساتھ ہی استاد کی خدمت میں آئے اور تعلیم حاصل کی مگر سید رضی کا مذہب مروجہ کے علماء کے نزدیک کوئی بڑا مرتبہ نہیں کیونکہ وہ متشابہات کے پھندے اور قیاسی مباحث کے گورکھ دھندے سے نکل گئے تھے اور مذہب اہل بیتؑ پر

سالک ہوگئے تھے۔ اسی لئے ان کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ صرف علامہ سید مرتضیٰ کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ عوام شیعہ مرعوب ہوکر ان کے ہر قول کو بغیر سوچے سمجھے قبول کرلیں اور قوت تنقید زائل ہوجائے۔ اس ضمن میں دیکھیں کتاب گوہر یگانہ در حالات امام زمانہ صفحہ ۳۰ ''ابوالقاسم علی بن الحسین سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ولادت ۳۵۵ھ وفات ۴۳۶ھ۔ علم الہدیٰ کا لقب خود امیر المومنین علیؑ کا عطا کردہ ہے'' (اس پر حاشیہ نمبر ا میں ہے) ''وزیر ابوسعید بیمار ہوا تو اس نے خواب میں جناب امیرؑ کو دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ علم الہدیٰ سے کہو کہ وہ تم پر دم کردے تاکہ تم اس مرض سے نجات حاصل کرو۔ وزیر مذکور نے کہا کون علم الہدیٰ، حضرتؑ نے فرمایا علی ابن الحسین موسوی۔ وزیر یہ رویائے صادقہ دیکھ کر بیدار ہوا، اس نے سید مرتضیٰ کو خط لکھا مگر سید نے جواب دیا میں اس لقب کے لائق نہیں ہوں۔ جب یہ خبر خلیفہ قادر باللہ کو معلوم ہوئی تو اس نے خط لکھا کہ یہ لقب آپ کے جد نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اس کو قبول کرلیں''۔

(مؤلف) پہلے تو اس پر غور کریں۔ کیا امیر المومنینؑ کی خواب میں زیارت ہونے سے مرض دفع نہیں ہوسکتا تھا۔ کیا مولیٰ کی ایک نظر دفع مرض کیلئے کافی نہ تھی۔ پھر خلیفہ قادر باللہ کو کیا غرض تھی کہ ان کو خط لکھتا اور مولاؑ کے فضائل چھپانے کے بجائے ظاہر کرتا۔ یہ خلفاء تو مخالفین میں سے تھے۔ فاعتبروا یااولی الالباب۔

اب ذرا سید مرتضیٰ اور سید رضی کا موازنہ دیکھ لیں۔ ایک واقعہ تو عوام شیعہ کے زبان زد ہے۔ کہ سید مرتضیٰ نے ایک روز اپنی والدہ سے شکایت کی کہ سید رضی میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ والدہ نے سید رضی کو ہدایت کی کہ تمہیں بڑے بھائی کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ سید رضی جماعت میں شریک ہوئے مگر پہلی رکعت میں جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔ سید مرتضیٰ کی شکایت پر والدہ نے سید رضی کو بلاکر پوچھا کہ آج تم نے یہ کیا کیا کہ

جماعت میں شریک ہوکر درمیان نماز ہی جماعت سے علیحدہ ہوگئے سید رضی نے کہا میں کیا کرتا۔ میں نے دیکھا کہ بھائی صاحب خون میں ڈوبے کھڑے ہیں، اس پر سید مرتضیٰ نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھے حیض کے ایک مسئلے کا خیال آ گیا تھا۔ بیشک تمہاری منزلت مجھ سے زیادہ ہے۔

ان دونوں بھائیوں میں موازنہ کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں جو ترجمہ وشرح نہج البلاغہ حصہ اوّل از رئیس احمد جعفری کے صفحہ۴۴ سے شروع ہوتا ہے۔

''ابو حامد ابن محمد الاسفرائنی فقیہ شافعی سے روایت ہے کہتے ہیں میں ایک دن فخر الملک ابو غالب محمد ابن خلف وزیر بہاء الدولہ اوران کے لڑکے سلطان الدولہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شریف رضی ابوالحسن آئے چنانچہ وزیر نے ان کی بڑی تعظیم کی ان کی منزلت بڑھائی۔ وزیر مذکور کے ہاتھ میں جو درخواستیں اور کاغذ تھے ان سب کو نظر انداز کر کے شریف رضی (ابوالحسن) کی طرف متوجہ ہوکر اس وقت تک باتیں کرتا رہا جب تک وہ خود اٹھ کر چلے نہیں گئے۔ اس کے بعد المرتضیٰ ابوالقاسم شریف رضی کے بھائی آئے۔ مگر ان کی ویسی تعظیم نہ کی اور نہ ویسا اعزاز واکرام کیا بلکہ ان سے باتیں کرنے کے بجائے کچھ کاغذات دیکھتا رہا۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر بیٹھے پھر وزیر سے کوئی بات کہی جسے وزیر نے پورا کر دیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔

ابو حامد کہتے ہیں یہ باتیں دیکھ کر میں نے وزیر سے پوچھا۔ خدا آپ کو خوش رکھے یہ المرتضیٰ فقیہ متکلم اور صاحب علم وفنون ہیں اس لئے وہ اپنے بھائی سے افضل ہیں۔ چونکہ شریف رضی (ابوالحسن) صرف شاعر ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر وزیر نے مجھ سے کہا کہ جب لوگ چلے جائیں گے۔ اور تنہائی ہو جائے گی۔ میں تمہارے اس سوال کا جواب دوں گا۔

علامہ اسفرائنی فرماتے ہیں۔ میں جانے کے لئے بالکل تیار بیٹھا تھا کہ کچھ ایسے کام

سامنے آ گئے جن کی مجھے توقع نہ تھی اس لئے وہاں بیٹھنے پر مجبور ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگ ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔ پھر جب وزیر کے سب غلام بھی چلے گئے اور میرے سوائے ان کے پاس کوئی نہ رہ گیا تو اپنے ایک ملازم سے کہا ان دونوں خطوط کو لاؤ جو میں نے تمہیں پندرہ روز پہلے دیئے تھے اور ان کو فلاں تھیلے میں رکھنے کو کہہ دیا تھا چنانچہ وہ لے آیا تو وزیر نے کہا کہ یہ شریف رضی (ابوالحسن) کا خط ہے مجھے خبر ملی تھی کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے اس لئے میں نے ایک ہزار دینار ان کے پاس بھیج دیئے تھے اور کہا تھا کہ قابلہ (دائی) کے لئے روانہ کر رہا ہوں کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایسی حالت میں دوست اپنے دوستوں کے پاس کچھ نہ کچھ بھیجا کرتے ہیں لیکن اس رقم کو شریف رضی نے واپس کر دیا اور میرے پاس یہ خط بھیجا جسے تم خود پڑھ لو۔ چنانچہ میں نے اس خط کو پڑھا جس میں اس رقم کے واپس کر دینے پر اپنی مجبوری کا اظہار کیا تھا لکھا تھا، ہم اہلبیتؑ کے احوال پر بیرونی قابلہ (دائی) مطلع نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ ہمارے خاندان کی بڑی بوڑھیاں ہی اس کام کو انجام دے لیتی ہیں۔ اور وہ بوڑھیاں ایسی نہیں ہیں جو کسی کام پر اجرت طلب کریں۔ وزیر نے کہا ایک تو یہ ہے......اب مرتضیٰ کا حال سنئے ہم نے اطراف ملک کی بعض جائدادوں پر کچھ رقموں کا اضافہ کیا تا کہ ان کے ذریعہ سے نہر عیسیٰ کے دہانے کو بڑھایا جاسکے۔ چنانچہ فقیہ متکلم مرتضیٰ کی جائداد جو مقام دابر یہ میں واقع ہے۔ اس کے سلسلہ میں بیس درہم بڑھے۔ یعنی صرف ایک دینار چنانچہ انہوں نے چند دن ہوئے اس بارے میں یہ خط لکھا جسے پڑھ لو۔

یہ خط سوسطروں سے زائد تھا جس میں اس قدر عاجزی و بے بسی اور خوشامد و بندہ نوازی اور التماس و گزارشات کا اس معمولی سی رقم معاف کردینے کے لئے اظہار کیا گیا ہے جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد فخر الملک نے کہا۔ اب بتایئے دونوں میں تعظیم و تکریم کا

کون زیادہ حقدار ہے۔ یہ عالم متکلم لاثانی جن کا اتنا چھوٹا دل ہے۔ یا وہ جو شعر کے سوائے کسی دوسرے علم میں اتنی شہرت نہ حاصل کر سکا۔ مگر جو اتنا عالی ظرف ہے''۔

اس کتاب کا مقصد جیسا کہ دیباچہ میں واضح کیا گیا۔ ائمہ علیہم السلام سے منسوب ان تمام خلاف عقل، خلاف فطرت اور خلاف دارائیت روایات کے خلاف احتجاج کر کے اور حقائق کی جانب متوجہ کر کے نوجوانوں میں دہریت کے پروپیگنڈہ کو بے اثر بنانا اور نصرت حسینی پر لبیک کہنے کی دعوت دینا ہے۔

اب ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موضوعہ یا مبنی بر تقیہ روایات کی پہچان کیا ہے۔ اور کیسے معلوم ہو کہ کوئی قول قول معصوم ہے۔ اس کے لئے دیکھیں احسن الفوائد فی شرح عقائد صفحہ ۱۶۰۔۱۶۱ کہ وہاں ایک حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ دنیا میں مختلف مذاہب ہیں اور ہر ایک اپنے ہی کو برحق بتلاتا ہے۔ تو حق کی کسوٹی کیا ہونا چاہئے، اس کے لئے ارشاد ہے ''حق کا معیار تو ایسا ہونا چاہئے جسے تمام ادیان بخوشی قبول کر لیں اور ہر شخص خواہ جس مسلک کا سالک ہو اور جس ملک کا ساکن اور جس نسل کا فرد ہو اس معیار کو بے چون و چرا تسلیم کر لے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا جامع اور مانع مکمل معیار سوائے فطرت صحیحہ کے اور کوئی نہیں جو بلا امتیاز رنگ ونسل اور بلا اختلاف ملک وملت اور بلا تمیز مرد و زن سب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ فطرت حق و باطل کا امتیاز بننے کی صلاحیت رکھتی ہے''۔

مذکورہ بالا حدیث میں احادیث صحیحہ کے امتیاز کے لئے کامل ہدایت موجود ہے جو روایات عقل، فطرت یا درایت کے خلاف ہو یا مضحکہ خیز کہانی ہو یا تنقیص اہل بیتؑ کا پہلو لئے ہوئے ہو اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ یہ روایت موضوعہ ہے۔ نیز جس حدیث یا روایت کا تعلق عالم

غیب سے ہو۔ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ متشابہ ہے۔

اولیاء اللہ جو اس کی حجت اور خلیفہ ہیں وہ بقدرت خدا ہر امر پر قادر ہیں۔ مگر وہ معجزات صرف اسی وقت دکھلاتے ہیں جب ہدایت کیلئے اشد ضروری ہو۔ وہ بازی گر نہیں ہیں جو بے ضرورت شعبدے دکھاتے پھریں لہٰذا تمام ایسی روایات جن میں معجزات کا بیان بغیر مقصد مخصوص ہو موضوعہ ہوں گی۔

خلیفة الله مادے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ ہر شے پر شہید ہے۔ ہر شئی کا عالم ہے لہٰذا جن احادیث یا روایات میں احتیاج کا اظہار کیا گیا ہو، یا کسی کمال کی کمی ظاہر ہوتی ہو، ایسی تمام روایات متشابہ یا مبنی بر تقیہ ہیں۔ ان کو مبنی بر حقیقت یا محکم سمجھ لینا باعث گمراہی ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدی

تمام شد

زیارت ششم امیر المومنین علیہ السلام

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْأَئِمَّةِ وَمَعْدِنَ النُّبُوَّةِ وَالْمَخْصُوصَ
بِالْأُخُوَّةِ اَلسَّلَامُ عَلَى يَعْسُوبِ الدِّينِ وَالْإِيمَانِ وَ
كَلِمَةِ الرَّحْمٰنِ وَكَهْفِ الْأَنَامِ اَلسَّلَامُ عَلَى مِيزَانِ
الْأَعْمَالِ وَمُقَلِّبِ الْأَحْوَالِ وَسَيْفِ ذِي الْجَلَالِ
اَلسَّلَامُ عَلَى صَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَوَارِثِ عِلْمِ النَّبِيِّينَ وَالْحَاكِمِ
يَوْمَ الدِّينِ اَلسَّلَامُ عَلَى شَجَرَةِ التَّقْوَى وَسَامِعِ السِّرِّ
وَالنَّجْوَى وَمُنْزِلِ الْمَنِّ وَالسَّلْوَى اَلسَّلَامُ عَلَى حُجَّةِ
اللهِ الْبَالِغَةِ وَنِعْمَتِهِ السَّابِغَةِ وَنِقْمَتِهِ الدَّامِغَةِ
اَلسَّلَامُ عَلَى إِسْرَائِيلِ الْأُمَّةِ وَبَابِ الرَّحْمَةِ وَأَبِي الْأَئِمَّةِ
اَلسَّلَامُ عَلَى صِرَاطِ اللهِ الْوَاضِحِ وَالنَّجْمِ اللَّائِحِ وَالْإِمَامِ
النَّاصِحِ وَالزِّنَادِ الْقَادِحِ اَلسَّلَامُ عَلَى وَجْهِ اللهِ الَّذِي
مَنْ آمَنَ بِهِ أَمِنَ اَلسَّلَامُ عَلَى نَفْسِ اللهِ الْقَائِمَةِ
فِيهِ بِالسُّنَنِ وَعَيْنِهِ الَّتِي مَنْ عَرَفَهَا يَطْمَئِنُّ
اَلسَّلَامُ عَلَى أُذُنِ اللهِ الْوَاعِيَةِ فِي الْأُمَمِ وَيَدِهِ
الْبَاسِطَةِ بِالنِّعَمِ وَجَنْبِهِ الَّذِي مَنْ فَرَّطَ فِيهِ
نَدِمَ أَشْهَدُ أَنَّكَ مُجَازِي الْخَلْقِ وَشَافِعُ الرِّزْقِ

وَالْحَاكِمُ بِالْحَقِّ بَعَثَكَ اللهُ عَلَمًا لِعِبَادِهِ
فَوَفَّيْتَ بِمُرَادِهِ وَجَاهَدْتَ فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ
فَصَلَّى اللهُ عَلَيْكُمْ وَجَعَلَ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي
إِلَيْكُمْ فَالْخَيْرُ مِنْكَ وَإِلَيْكَ عَبْدُكَ الزَّائِرُ
بِحَرَمِكَ اللَّائِذُ بِكَرَمِكَ الشَّاكِرُ لِنِعَمِكَ قَدْ
هَرَبَ إِلَيْكَ مِنْ ذُنُوبِهِ وَرَجَاكَ لِكَشْفِ
كُرُوبِهِ فَأَنْتَ سَاتِرُ عُيُوبِهِ فَكُنْ لِي إِلَى اللهِ
سَبِيلًا وَمِنَ النَّارِ مُقِيلًا وَلِمَا أَرْجُو نَيْلَكَ
كَفِيلًا أَنْجُو نَجَاةَ مَنْ وَصَلَ حَبْلَهُ بِحَبْلِكَ
وَسَلَكَ بِكَ إِلَى اللهِ سَبِيلًا فَأَنْتَ سَامِعُ
الدُّعَاءِ وَوَلِيُّ الْجَزَاءِ عَلَيْنَا مِنْكَ السَّلَامُ
وَأَنْتَ السَّيِّدُ الْكَرِيمُ الْإِمَامُ الْعَظِيمُ۔
فَكُنْ بِنَا رَحِيمًا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَالسَّلَامُ
عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

نوٹ: یہ زیارت ۱۹۴۰ء کے بعد طبع ہونے والے
تحفۃ العوام میں درج نہیں کی گئی